حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

کس لئے آئے تھے

— اور —

کیا کر چلے؟

ناشر
ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان
منارہ، ضلع چکوال

باب اوّل

انسان نے اپنی زندگی کی ضروریات پُوری کرنے کے لِئے لاکھوں چیزیں ایجاد کرڈالی ہیں۔ کئی چیزیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں مگر اُن سے بڑے مفید کام لِئے جاتے ہیں۔ کوئی چیز خواہ کتنی معمولی یا کس قدر عظیم الشان ہو، اس کے بنانے سے پہلے اِنسان یہ طے کرتا ہے کہ اس سے کیا کام لینا ہے۔

ایک قلم کی مثال لیجئے! بظاہر کتنی معمولی چیز ہے مگر اس سے جس قدر کام لیا گیا یا لیا جا رہا ہے، اس کی افادیت اور عظمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ انسان نے اس کے بنانے سے پہلے یہ سوچ لیا تھا کہ اس سے لِکھنے کا کام لیا جائے گا، یہی صُورت کاغذ کی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک پن سے لے کر ہوائی جہاز تک کوئی چیز ایسی نہیں جسے بنانے سے پہلے اس کا مقصد طے نہ کر لیا گیا ہو۔ پھر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور ہمارا روزمرّہ کا معمول ہے کہ جب کوئی چیز کام کرنے کی صلاحیت کھو دے جس کے لِئے اُسے بنایا گیا تھا، تو اُسے ردّی میں پھینک دیا جاتا ہے یا پھر اُسے نذرِ آتش کر دیا جاتا ہے۔

اِس زندہ اور ناقابلِ تردید حقیقت کے پیشِ نظر اِس دُنیا اور وسیع کائنات پر غور کریں۔ یہ عظیم کرۂ ارض اپنے گوناگوں خزانوں سمیت اِنسان کے سامنے ہے۔ یہ

پہاڑوں کی چٹانیں، ان کی سر بفلک چوٹیاں زمین کے سینے پہ موجود ہیں، حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے میدان ہیں، سرسبز شاداب وادیاں ہیں، کہیں چشمے پھوٹ رہے ہیں، کہیں دریا بہہ رہے ہیں، یہ موجیں مارتا ہوا سمندر کرہ ارض کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ گھنے جنگلات ان میں قسم قسم کے جانور، پرند، چرند، درند کیا کچھ نہیں؟ سر پر چمکتا اور گرماتا ہوا سورج کس باقاعدگی سے طلوع و غروب ہو رہا ہے۔ عمل تبخیر ہو رہا ہے۔ عمل تکاثف جاری ہے۔ بادلوں سے پانی برس رہا ہے۔ زمین سبزہ اگا رہی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ حقیقت کہ حضرتِ انسان کے دم سے اس سارے کارخانہ میں چہل پہل، ہنگامہ اور رونق نظر آتی ہے۔

کیا یہ سب چیزیں بے مقصد ہیں؟ یا کسی مقصد کے تحت کسی نے بنائی ہیں؟ انسان جب ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک سوئی کو بے مقصد نہیں سمجھتا تو ظاہر ہے کہ اس ساری کائنات کو بے مقصد کہنے کی حماقت کیونکر کر سکتا ہے؟

اب دیکھنا ہے کہ کائنات کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے؟

انسان اگر صرف عقل پر بھروسہ کر کے یہ سوچنے بیٹھ جائے تو زندگی ختم ہو جائے گی۔ مگر انسان کسی صحیح اور یقینی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے گا۔ انسان نے جب بھی یہ جرأت کی اس کا نتیجہ یہی نکلتا رہا۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر فرد اپنی عقل پر بھروسہ کر کے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے گا اور تمام افراد کا ایک ہی نتیجے پر پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا انتشارِ فکر کے بغیر اس کا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے سے ہی پوچھا جائے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟

اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا کوئی خالق بھی ہے یا از خود اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ دوسری بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جو لٹھ لئے عقل کے پیچھے پڑا ہو۔ جب ایک ذرا سی سوئی از خود نہیں بن سکتی تو یہ اتنا بڑا کارخانہ جو نہایت باقاعدگی

کے ساتھ صدیوں سے چل رہا ہے ازخود کیسے وجود میں آسکتا ہے۔ عقلِ سلیم یہی کہتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہے۔ اس "کوئی" کا نام خالق ہی سمجھ لو اور اِس خالقِ کائنات ہی سے پُوچھ لو اس نے اِتنا بڑا کارخانہ کِس مقصد کے لِئے بنایا؟

یہاں پہنچ کر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خالق سے رابطہ کیسے قائم ہو اور اس سے کیسے پوچھیں؟ مگر ایک انسان کے لِئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اُس اَن دیکھے خالق سے کوئی پوچھے کیسے اور وہ بتائے کیونکر؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس خالقِ حکیم نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کی ہر نوع کو کو جینے کا ڈھنگ بھی سِکھایا۔ انسان کے بغیر ساری مخلوق کے لِئے ہدایت کا سامان اس کی جبلّت میں رکھ دیا۔ مگر انسان کی ہدایت کے لِئے بڑے اہتمام سے ایک مستقل انتظام کیا۔ اور پہلے اِنسان سے اُس نے یہ وعدہ کیا تھا اور اُس سے عہد لیا تھا کہ

"فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ"

جب میری طرف سے تم تک ہدایت پہنچی اور پھر جس نے ہدایت کی پیروی کی تو اس کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

تو اُس نے مختلف زمانوں سے مختلف قوموں کے لِئے انہی میں سے کِسی برگزیدہ انسان کو اس منصب کے لِئے منتخب کر لیا کہ وہ خالق اور انسانوں کے درمیان رابطہ کا کام سرانجام دے۔ اور وحی کے ذریعے اس برگزیدہ انسان کو اپنا پیغام پہنچایا کہ میرے بندوں تک یہ ہدایات پہنچاتے۔ اس سلسلے کی آخری شخصیت کو ایک ایسا ہدایت نامہ دیا جو رہتی دُنیا تک بنی نوع انسان کے لِئے رہنمائی کا کام دے سکے اور اس کتابِ ہدایت کی حفاظت خالق نے خود اپنے ذمے لی چنانچہ یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں بڑی محفوظ صورت میں ہمارے پاس پہنچی

ہے۔ مسلمان تو اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لا چکا ہے۔ اس لئے اس کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ اُس ہستی سے مسائل پوچھے اور حل کراتے مگر جو لوگ اُس پر ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ لوگ جو اس کے دشمن تھے اور ہیں۔ وہ بھی اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں مار نہیں سمجھتے کہ اس نے زندگی بھر نہ جھوٹ بولا، نہ غلط بات کہی۔ لہٰذا جو مخلوق کے متعلق جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ خالق کے متعلق کب کوئی غلط بات کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا آؤ! اس کتاب ہدایت سے اس سوال کا جواب پوچھتے ہیں۔

اس کتاب میں خالق کی طرف سے ایک اصولی اعلان ملتا ہے:

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا"۔

یعنی زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے وہ ہم نے یونہی عبث نہیں پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بے مقصد تو نہیں مگر ایک مقصد محض تفریح بھی تو ہو سکتا ہے لہٰذا یہ غلط فہمی بھی دُور کر دی کہ:

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ"۔

یعنی یہ کائنات محض کھیل کے طور پر پیدا نہیں کی۔

پس اس کا مقصد تو ہے اور وہ کھیل اور تفریح ہرگز نہیں! اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقصد ہے کیا؟ تو خالق نے اسے دو حصّوں میں بیان کیا:

(۱) "هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ"۔

یعنی انسان کو مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ زمین اور اس کے سارے خزانے تیرے ہی لئے ہیں۔ پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَالَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔

یعنی یہ خالق ہی کی ذات ہے کہ اُس نے زمین اور اس کی روئیدگی، پہاڑ اور ان کی معدنیات، جنگل اور اس کے جانور، دریا اور سمندر اور ان کا پانی اور پانی کے جانوروں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا۔ چلیں یہ تو سمجھ میں آتا ہے مگر انسان کا سورج، چاند تاروں

ہواؤں اور بادلوں کا مسخر کر لینا عجیب سا لگتا ہے۔ یہ مشکل اُس وقت پیش آتی ہے جب تسخیر کے حقیقی اور کامل مفہوم تک ذہن کی رسائی نہ ہو۔

تسخیر کی ایک صُورت تو یہ ہے کہ انسان ان چیزوں میں جب چاہے اور جیسے چاہے تصرّف کر کے اپنے کام میں لا سکے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنانے والے نے اس چیز کو ایسے ضابطے کا پابند بنا دیا کہ اُس ضابطہ کی پابندی سے انسان کی خدمت کرتی رہے اور اس کے مفاد کو پورا کرتی رہے۔ اس لئے جو چیزیں براہِ راست انسان کے تصرّف میں نہیں ہیں، انھیں خالق نے ایسے ضابطے کا پابند بنا دیا کہ نہایت باقاعدگی سے انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ہوش و حواس رکھنے والا انسان انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تعجّب کے انداز میں انسان سے سوال کیا گیا:

"اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً"

یعنی کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین و آسمان کی ساری چیزیں تمھاری خدمت میں لگا رکھی ہیں اور اپنی ظاہر اور چھپی ہوئی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

ایک ذی ہوش انسان اپنے خالق کی بے حد و حساب نعمتوں کا انکار کیونکر کر سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کائنات کا وہ حصّہ جو جمادات اور حیوانات پر مشتمل ہے صرف اس غرض سے پیدا کیا گیا کہ انسان اس کائنات کی اکثر چیزوں پر حاکمانہ تصرّف رکھتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لیتا ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ خالق نے ان کے لئے ایک مخصوص ضابطہ مقرر کر دیا ہے جس کے تحت کام کر کے وہ چیزیں انسان کی خدمت کا فریضہ ادا کرنے میں

مصروف ہیں۔

کائنات کا دوسرا حصہ حضرتِ انسان سے متعلق ہے جسے سوچنے اور سمجھنے کے لیے عقل و شعور عطا ہوا۔ افہام و تفہیم کے لیے قوتِ گویائی ملی۔ اسے کائنات کی دوسری چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھایا گیا اور ان سے کام لینے کی صلاحیت و دیعت کی گئی۔ یہ درست مگر اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے کتابِ ہدایت کے ایک جملے پر نگاہ اٹکتی ہے جس میں سوال بھی ہے۔ تعجب کا اظہار بھی ہے ایک حقیقت کا بیان بھی ہے، تنبیہ بھی ہے اور ایک اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جھنجھوڑا بھی گیا ہے:

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ"

ترجمہ اسلوبِ بیان صاف پتہ دیتا ہے کہ انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں دوسرے جزو سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے جس کی جوابدہی اُسے لازمی کرنا ہوگی۔

اس سے آگے بڑھیں تو ایک اور جملے میں مقصدِ تخلیق واضح الفاظ میں ملتا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ"

یعنی ہم نے جن و انس کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔

مگر یہاں پہنچ کر بہانہ جو طبیعت ابا کرنے لگتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم صرف عبادت ہی کرتے رہیں۔ جسم و روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے کیا تھوڑے دھندے ہیں؟ اس اُلجھن کو کیسے دُور کریں۔ اگر عبادت ہی میں

لگے رہیں تو زندگی دوبھر ہو جاتے گی اور اگر عبادت نہیں کرتے تو مقصدِ تخلیق فوت ہو جاتا ہے۔

اِس پریشانی کی وجہ یہ نہیں کہ بات پیچیدہ ہے بلکہ اصل وجہ فہم کا قصور ہے۔ لفظ عبادت کا مفہوم سمجھنے میں ہم ٹھوکر کھا گئے۔ سمجھا کہ عبادت کا مطلب نماز، روزہ ہے تو بھلا کیونکر ممکن ہے کہ آدمی ہر وقت نماز ہی پڑھتا رہے اور ہمیشہ روزہ ہی رکھا کرے۔ لہٰذا زندگی کا یہ مقصد سرے سے ہے ہی نہیں۔ تو لگے سوچنے تو کچھ بزرجمہر اس نتیجہ پر پہنچے کہ:

ترجمہ "وَمَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ"

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

کوئی رنگ میں آکر کہنے لگا کہ زندگی بس یہی ہے کہ

ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اِس عُقدے کا حل یہ ہے کہ کتابِ ہدایت سے ہی عبادت کا صحیح مفہوم تلاش کریں مثلاً:

(ا) "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"

اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(ب) "وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ"

اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہاں تقابل پر غور کرو۔ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے صرف میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔ اگر عبادت کا مفہوم صرف نماز روزہ ہی ہو تو کون انسان ہے جو شیطان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے یا سر سجدے میں رکھے ہوتے ہے، لہٰذا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ شیطان کا کہا نہ ماننا، صرف میرا کہنا ماننا۔ لہٰذا عبادت سے مراد اگر یہ لی جائے کہ "جو میں کہوں وہی کرو" تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

عبادت کا یہ مفہوم کتاب ہدایت میں جا بجا ملتا ہے۔ اہل لغت بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ راغب اصفہانی نے مفردات میں اور لغت کی مشہور کتاب "لسان العرب" میں عبادت کا مطلب اطاعت اور فرمانبرداری ہی لکھا ہے مشہور مفسر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لاتعبدوا الشیطٰن کا مطلب یہی لکھتے ہیں کہ لا تطیعوہ یعنی اس کی بات نہ مانو۔

تو اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ خالق جو کہے وہ کرو۔ بات کتنی مختصر اور کیسی آسان اور سادہ ہے۔ اب اس کلیے کو پوری زندگی پر پھیلا کر دیکھ لو۔ سب سے پہلے تو معاشی مسئلہ لے لو، خالق نے اعلان فرما دیا کہ ہم نے یہ زمین پھیلا دی،

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ۔

یعنی ہم نے تمہارے لئے اس زمین میں معیشت کے سامان فراہم کر دیئے اب تم آگے بڑھو اور اپنا حصہ تلاش کرو:

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"

یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ تو معاش تلاش کرنے کی صرف اجازت ہی نہ دی بلکہ اسے اللہ کا فضل قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ معاش کی تلاش اگر خالق کی مرضی کے مطابق کروگے تو یہ کیا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل اور اسی کا نام عبادت ہے۔ لہٰذا تجارت ہو زراعت ہو، صنعت و حرفت ہو۔ جو ذریعہ اختیار کرو، اللہ کا فضل تلاش کرو، بات صرف اتنی ہے خالق سے جائز و ناجائز کی حدود کے متعلق ہدایت حاصل کر لو۔ جائز صورت اختیار کر کے جو کچھ کروگے وہ عبادت شمار ہوگی۔

اب بتاؤ! کیا تمھاری تخلیق کا مقصد تمھاری تگ و دو میں رکاوٹ بنتا ہے یا تمھاری معاشی جدوجہد ہی عبادت بن سکتی ہے بشرطیکہ خالق سے پوچھ کے اس کی پسند کے مطابق جدوجہد جاری رکھو۔

اسی طرح باہمی معاملات کو دیکھئے! حقوق و فرائض کا ایسا معتدل نظام بتایا کہ انسان اس پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کے دکھ دور ہو جائیں۔ قریبی ماحول میں والدین، بہن بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے۔ اس سے وسیع تر ماحول میں ہمسایہ، افسر و ماتحت، دوست و دشمن سب کے حقوق اور فرائض متعین کر دیئے۔ اگر ان جزئیات کا لحاظ رکھا جائے تو ہر شخص کی جان، مال، آبرو محفوظ رہ سکتی ہے۔ باہمی برتاؤ کے سلسلے میں ایک ایسا اصول سکھا دیا کہ تمام تفصیلات ایک جملے میں سمو کے رکھ دیں فرمایا:

"تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"

یعنی بھلائی کے کاموں میں دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور برائی اور زیادتی کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون مت کرو۔

یہ ایک سنہری اصُول ہے کہ پوُرے خلوص اور پابندی سے اس پر عمل کیا جائے تو برائی اور فساد کا پنپنا ممکن نہ رہے اور نیکی اور بھلائی پھیلنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور انسانیت کو سُکھ کا سانس لینا نصیب ہو جس کے لئے اب پوُری دُنیا ترس گئی ہے۔

لو! زندگی کے مقصد کا سُراغ مِل گیا۔ ذہن مطمئن ہوگیا۔ مگر دل سے بھی مشورہ کرلو، کیا اس کی تسلّی بھی ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ ذہن اور عقل بیچاری تو صرف مشورہ دینے کے لئے ہے آخری فیصلہ دل کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ مطمئن ہوگیا تو قدم اُٹھنے لگیں گے ورنہ ساری بات محض ایک دماغی ورزش بن کر رہ جائے گی۔

اگر یہ بات دِل کو لگتی ہے تو اگلا مرحلہ محاسبے کا ہے اپنے ماضی کو چشمِ تصوّر کے سامنے لاؤ، اپنے حال کا تنقیدی جائزہ لو، کیا مقصدِ تخلیق پورا ہو رہا ہے؟ تمھارا نظریہ اور عمل، تمھارے مشاغل اور مصروفیات، تمھاری پسند و ناپسند، تمھاری انفرادی اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی زندگی میں کیا یہ نظر آتا ہے! تم وہی کرتے ہو جو خالق کہتا ہے یا وہ کرتے ہو جو جی میں آجائے۔ یا اپنے ازلی دشمن سے مشورہ لینے کی عادت ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو تمھاری سعادتمندی پر رشک آتا ہے۔ تم واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہو کیونکہ تم مقصدِ تخلیق پوُرا کر رہے ہو۔ اور اگر خدانخواستہ دوسری صوُرت ہے تو یہاں رُک جاؤ! سوچ لو، غور کرو! کیا تمھیں اِسی ڈگر پر قائم رہنا ہے یا اپنے آپ کو بدلنا ہے۔ اگر تم نے پہلی صُورت پسند کی ہے اور اُسی پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس سے زیادہ کچھ کہنا فضول ہے کہ قاعدے اصُول کے مطابق جو چیز اپنا مقصدِ تخلیق کھو دے اُسے ردّی میں پھینکا جاتا ہے یا نذرِ آتش کر دیا جاتا ہے۔ یہ انجام ہو کے رہے

گا کہ خالق یہاں تمھیں ردّی میں پھینک دے گا اور وہاں آگ کے حوالے کر دیئے جاؤ گے۔ ردّی میں پھینکی ہوئی چیز کو آندھیاں اُڑاتے لئے پھریں، سیلاب بہالے جائے، آگ جلا کر راکھ کر دے تو کوئی پوچھتا نہیں۔ اِسی طرح ردّی میں پھینکے ہوئے انسانوں کو حوادث کی آندھیاں اُڑاتی پھریں، بے چینی اور پریشانی کے زلزلے جھٹکوں پر جھٹکے دیتے چلے جائیں، بدامنی اور لوٹ مار کے سیلاب اسے بہا کر تباہی کے غار میں پھینک دیں تو بنانے والے کو اس کی کیا پرواہ۔ اس نے ردّی میں جو پھینک دیا۔

اور اگر تم اس پر آمادہ ہو گئے ہو کہ اپنے آپ کو بدلنا ہے تو اس کی ابتداء یوں کرو کہ اپنے خالق کو منا لو۔ گذشتہ بے راہروی کے لئے اس سے معافی مانگو، گڑگڑا کے، رو رو کے، منتیں کر کے، زاری کر کے، پوری ندامت کے جذبے سے معافی مانگو۔ پھر اس سے اور اپنے دِل سے عہد کرو، پکا عہد۔ غیر متزلزل عہد کہ پھر ایسا نہیں کرو گے۔ یعنی مَن مرضی نہیں کرو گے۔ شیاطین جنّ اور شیاطین انس کے مشوروں پر نہیں چلو گے۔ بلکہ اپنے خالق کی باتیں تلاش کرو گے سُنو گے، سمجھو گے، یاد رکھو گے اور ان پر عمل کرو گے۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ اٰمِیْن۔

باب دوم

حصولِ مقصد کی تدابیر

حقیقی معنوں میں انسان وہی ہے جسے یہ علم ہو کہ میری پیدائش کا مقصد کیا ہے ؟ پھر یہ احساس ہو کہ مجھے وہ مقصد پورا کرنا چاہیئے اور مقصد کی وضاحت ہو چکی کہ ـــــ "پیدا کرنے والے کا کہا ماننے"۔

کسی کا کہا ماننا بڑا مشکل کام ہے خصوصاً یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے ، جب یہ علم نہ ہو کہ کہنے والا کون ہے ؟ میرے ساتھ اس کا کیا تعلق یا رشتہ ہے؟ میرا خیر خواہ ہے یا اس کی اپنی کوئی غرض اس سے وابستہ ہے ؟ جب یہ معلوم ہو جائے کہ حکم دینے والا کوئی غیر نہیں اپنا ہے ، خیر خواہ ہے اور جس کام کا مطالبہ مجھ سے کر رہا ہے اس میں میرا ہی فائدہ ہے تو انسان کے لئے اس کا حکم ماننا آسان ہو جاتا ہے۔

اِس مشکل کو آسان بنانے کی تدابیر : اتنی بات ہر آدمی جانتا ہے کہ اُس کا اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ اِتنا قریبی رشتہ کہ اس سے قریب تر رشتہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نے جسم اور رُوح کا رشتہ جوڑا

جسمانی اعضاء اور جسمانی صلاحیتیں عطا کیں اور یہ سب کچھ بے مزد اور بے طلب عطا کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ غیر نہیں اپنا ہے۔ میری کسی خدمت کا محتاج نہیں بلکہ میں ہر بات میں اس کا محتاج ہوں۔ اس کی کوئی غرض میری خدمت سے وابستہ نہیں اس کی خیر خواہی کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اس نے مجھے صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ میری ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وسیع کائنات پھیلا دی۔ پھر مجھے آدمیوں کی طرح جینے کا ڈھنگ سکھانے کا اہتمام بھی کیا۔ اس لئے اس کے ہر حکم کی تعمیل میں میرا اپنا فائدہ ہے۔

یہ احساس ایک ذہنی عمل ہے ایک نظری استدلال ہے۔ اس نظریہ کو عملی شکل دینا ضروری ہے تاکہ اس تعلق کا احساس ایک امرِ واقع بن جائے اور یہ عقلی تعلق بڑھتے بڑھتے محبت کے جذبے کی صورت اختیار کر لے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ محبت بڑی قوت ہے۔ محبوب کی بات ماننا صرف آسان نہیں ہوتا بلکہ جی چاہتا ہے کہ حکم ملے، انتظار ہوتا ہے کہ کب مجھے کچھ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ پھر آدمی محض ضابطے کی پابندی کی جگہ بڑے شوق سے اور ایثار کے جذبہ سے تعمیلِ حکم کرتا ہے۔

پہلی تدبیر

قاعدہ ہے کہ انسان کسی کے ہاں آنا جانا شروع کر دے تو تعلقات بڑھنے لگتے ہیں حتیٰ کہ اجنبی اور بیگانوں کے ہاں آمد و رفت جاری رہے تو وہ اپنے بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کے ہاں آنا جانا ختم

کر دیا جائے تو اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں۔ اِس لئے خالق نے ازراہِ بندہ نوازی یہ تدبیر بتائی کہ تم دن میں کم از کم پانچ مرتبہ میرے گھر آیا کرو۔ اس مسلسل اور باقاعدہ آنے جانے سے تعلقات استوار ہوں گے۔ پھر میرے گھر آکر مجھ سے باتیں کرو، اپنی ضرورتیں پیش کرو، اپنا دُکھڑا بیان کرو، میرے احسانات کا شکر ادا کرو، راز کی باتیں کرو اور پورے اعتماد سے مانگو۔

دیکھو! تمھیں اپنی کسی دنیوی ضرورت کے تحت درخواست لے کر کسی دفتر میں جانا پڑے تو تمھیں اوّل تو ساری منتیں صرف دربان سے کرنا پڑتی ہیں پھر داخلہ کی اجازت مِلے تو سامنے میز پر ایک تحریر موجود ہوتی ہے۔ "بات مختصر کیجئے!" مگر میرے ہاں آؤ گے تو بلا روک ٹوک آؤ! تمھیں کہیں "نو ایڈمشن" (NO ADMISSION) لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ پھر اس کی بھی قید نہیں کہ "بات مختصر کیجئے" بلکہ کھُلی اجازت ہے کہ جی بھر کے باتیں کرو۔ تمھاری سہولت کے لِئے کچھ الفاظ بھی سِکھا دیئے ہیں مگر ان الفاظ کے معانی میں وہ وُسعت ہے کہ ایک ایک لفظ، ایک ایک جُملہ تمھاری یہاں کی پوری زندگی اور ابدی زندگی کی تمام ضرورتوں کو محیط ہے۔ ان مقررہ الفاظ سے ہٹ کر بھی اپنی ضرورت، اپنی پسند، اپنے حالات کے بارے میں، اپنی ذہنی کیفیت کے مطابق جی بھر کے باتیں کرو۔ کتنی عنایت ہے کتنی رعایت ہے کتنی اپنائیت ہے ؎

چند عنایات تیری ہوں تو گنی بھی جائیں
لُطف کا سیل بہاتے تجھے دیکھا ہم نے

تمھیں خودداری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ تم کسی کے ہاں بن بلائے جانا گوارا نہیں کرتے۔ لو! ہم نے تمھاری اس مشکل کو بھی آسان کر دیا۔ سُنو! پانچ

وقت روزانہ ہمارے گھر سے تمہیں بلاوا آیا کرے گا۔ اس بلاوے کے الفاظ پر غور کرو، "حَیَّ عَلَی الفَلَاح" ہمارے گھر آؤ! اپنی فلاح کے لئے، اپنی کامیابی کے لئے، اپنے فائدے کے لئے۔ ہماری بے نیازی اور ہماری بندہ نوازی پر غور کرو کس حیلے سے تمہیں اپنے گھر بلا رہے ہیں اور وہ بھی تمہارے فائدے کے لئے۔

فَهَلْ مِن مُّدَّكِر۔ دیکھو! پانچ وقت میرے گھر آؤ، سلیقے سے آؤ۔ گھر سے روانہ ہوتے ہی تمہیں احساس ہونے لگے کہ اپنے خالق کے گھر جا رہے ہیں، اپنے محسن، مربی اور اپنے داتا کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ مانگنے جا رہے ہیں، خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے، اس کے گھر سے کوئی محروم نہیں لوٹا۔ پھر اپنے مالک سے ملاقات کی مناسب تیاری بھی کرلو۔ جب تم اس اہتمام سے اور اس سلیقے سے روزانہ پانچ وقت اپنے مالک کے گھر پابندی سے آنا جانا شروع کروگے تو اس سے ایسا محبت کا تعلق قائم ہو جائے گا کہ تمہارا جی چاہے گا کہ کوئی ایسا وقت تلاش کیا جائے کہ بالکل تنہائی میں راز کی باتیں ہوں۔ پھر یہ محبت تمہیں رات گئے جگا دے گی اور تم پچھلی رات، جب دنیا آرام کی نیند سو رہی ہوگی، تم چپکے چپکے در محبوب کی طرف چل پڑوگے۔ رات کے اندھیرے میں، رات کی تنہائیوں میں اپنے محبوب سے ملاقات کیا کروگے۔ راز کی باتیں ہوں گی۔ قرب بڑھے گا۔ محبت استوار ہو گی۔ ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور اب تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے کہ خالق کی بات ماننا آسان ہو جائے گا۔

عقل بجیلہ می برد سے سفر شروع کیا اور عشق برد کشاں کشاں تک پہنچ گئے۔

عقل جیسے سے لے جاتی ہے
عشق کھینچ کر لے جاتا ہے

اپنے خالق کی بندہ نوازی کا مشاہدہ کرو، پھر اپنی اوقات دیکھو، اپنے حالات دیکھو، اس نے تمہیں اپنے قریب لانے کی کیا عمدہ تدبیر بتائی مگر تم نے

اس کی قدر نہ پہچانی۔ آج تم اپنے گھروں کی آبادی کی فکر میں منہمک ہو مگر خالق کے گھر ویران پڑے ہیں۔ مگر سوچو! کیا تمھارے گھر آباد ہیں کچھ شک نہیں کہ ان میں فرنیچر بھی عمدہ سے عمدہ اور اپٹوڈیٹ ہے۔ آرائش و آسائش کے سامان وافر جمع کئے ہیں۔ مگر ان عمدہ گھروں میں کیا تمھیں سکون کی کوئی گھڑی میسر آتی ہے۔ کیا اطمینان کے ایک لمحہ کے لئے نہیں ترس رہے ہو۔ تمھیں سونے کے لئے خواب آور گولیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے بیداری میں غم غلط کرنے کے لئے تمھیں لال پری کا طواف کرنا پڑتا ہے یا کلب کی حاضری دینا پڑتی ہے۔ اس کے باوجود تمھیں سکون نہیں ملتا۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تمھارے گھر آباد ہیں۔ نہیں، ہرگز نہیں! یہ آبادی کی ایکٹنگ ہے۔ تم اپنے خالق کے گھر کو ویران کر کے اپنے گھروں کو آباد کیسے دیکھ سکتے ہو؟ پھر تم نعرہ لگاتے ہو ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ سنو! کوئی کیا کہہ رہا ہے ؎

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ! کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ کیا تم میں کوئی نیک انسان نہیں۔

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز لا الہ سیپی ہے اور نماز موتی
قلبِ مسلم را حج اصغر نماز مسلمان کے دل میں نماز حج اصغر کی مانند ہے
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است مسلمان کے ہاتھ میں یہ خنجر کی طرح ہے
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است جس سے، وہ خواہش اور منکرات کو قتل کرنا ہے

دوسری تدبیر

تم خوش قسمت ہو کہ اپنے خالق کے گھر آنے جانے کے خوگر ہو گئے۔ تم نے اپنے اس محبوبِ حقیقی کی ملاقات کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے اپنے مشاغل چھوڑے اپنا کاروبار بند کیا۔ کڑاکے کی سردی اور چلچلاتی دھوپ میں اپنے آرام کو قربان کیا۔ گویا تم نے اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کی راہ پر پہلا قدم رکھا۔ تمھاری حالت قابلِ رشک ہے۔ تم حقیقی معنوں میں انسان کہلانے کے مستحق ہو۔

ہاں! تو تمھاری راہ میں ایک اور رکاوٹ کھڑی ہے تمھارے اندر قوتِ شہویہ رکھ دی گئی ہے۔ زبان کا چسکا اور پیٹ پوجا کی لت، جنسی بے راہروی اور بے اعتدالی اپنے اندر ایسی کشش رکھتی ہے کہ تم اس کی وجہ سے اپنے خالق کے قریب آنے سے رُک جاتے ہو۔ لو! تمھاری اِس بیماری کے علاج کے لئے ایک تدبیر بتائی جاتی ہے۔ سال بھر میں ایک مہینہ کے لئے صبح سے شام تک کھانا پینا اور جنسی عمل معطل کر دیا کرو۔ اگرچہ یہ چیزیں تمھاری زندگی کی بنیادی ضرورتیں ہیں اسی لئے تمھیں ان کی اجازت دی گئی ہے کہ حلال، پاک اور طیّب کی شرائط کے ساتھ عمل میں لاؤ، مگر یہ دیکھنے کے لئے کہ تمھیں اپنے خالق کے حکم کی قدر ہے یا نہیں؛ یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ عام حالات میں جو چیز حلال، بلکہ ضروری ہے۔ اس چیز سے اس خاص مہینے میں مختصر سے وقت کے لئے تمھیں اپنے جذبات پر اپنی مرغوبات کے سلسلے میں کنٹرول کرنے کا سلیقہ آجائے۔ اور تمھارے لئے اپنے خالق کا ہر حکم ماننا آسان ہو جائے۔ ہاں! مگر یہ احتیاط کرنا کہ اس پابندی کی اصل رُوح نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ وہ یوں کہ جہاں

تم نے اپنے مُنہ اور اپنے پیٹ کو خالق کے کہنے پر حلال لقمہ سے بھی بچایا، وہاں اپنے جسم کے ہر عضو کو ناروا حرکت سے ضرور باز رکھنا۔ مثلاً تمھاری زبان سے کوئی ناپسندیدہ کلمہ نہ نکلے۔ تمھارے کان کسی ناشائستہ بات کو سُننے کے لئے تیار نہ ہوں تمھاری آنکھیں کسی ایسے منظر کو دیکھنے کی جسارت نہ کریں جو تمھارے خالق کو پسند نہیں۔ تمھارے ہاتھ کسی ایسے کام کے لئے نہ اُٹھیں جسے ظلم یا زیادتی کہا جاتا ہے تمھارے پاؤں اس سمت نہ بڑھیں جسے تمھارا خالق پسند نہیں کرتا۔ تمھارا ذہن کسی ایسی سوچ میں نہ مصروف ہونے پائے جس سے خالق کی ناراضگی ہو، یا معاشرے کو نقصان پہنچے۔

اگر تم نے ان تمام قوتوں پر کنٹرول کر لیا تو گویا تم نے اپنے آپ کو اِس کام کے لئے تیار کر لیا کہ خالق کے حکم کی تعمیل میں میرا کوئی جذبہ اور کوئی سوچ رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔ اور اگر تم نے پیٹ پر تو پہرہ بٹھا دیا مگر باقی تمام اعضاء کا پھاٹک کھول دیا تو اس تدبیر کا حاصل بھوکا پیاسا رہنے کے بغیر اور کچھ نہ ہوگا۔

دیکھو! تمھارے ذہن میں یہ بات نہ آنے پائے کہ یہ ہماری آزادی میں مداخلت ہے ہمیں خوا مخواہ پابند کیا جا رہا ہے اور اگر ذہنی پستی کی وجہ سے یہ خیال آجائے تو ذرا اپنے حالات کو دیکھو جب تمھیں ڈاکٹر کہتا ہے کہ فلاں غذا عمر بھر نہیں کھانی ہے۔ وہ غذا خواہ تمھیں کتنی مرغوب ہو محض ڈاکٹر کے کہنے پر اپنی صحت کی حفاظت کی خاطر تمام عمر وہ غذا نہیں کھاتے۔ تمھیں ڈاکٹر پر اعتماد ہے۔ تمھیں اپنی صحت مطلوب ہے اس لئے تمھیں یہ پابندی کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتی ہے تو حکیم مطلق اور محبوب خالق کے کہنے پر تھوڑے سے وقت کے لئے انسانیت کی حفاظت کے لئے یہ معمولی پابندی تمھیں بوجھ کیوں محسوس

ہونے لگی ؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ تمھیں اپنے خالق پر اتنا اعتماد بھی نہیں جو ایک ڈاکٹر پر ہوتا ہے۔ تمھیں اپنے مقصدِ تخلیق کی اہمیّت کا اتنا احساس بھی نہیں جتنا اس فانی جسم کی موہوم صحت کا احساس ہے۔ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو تم اس پابندی کا حکم سُنتے ہی سجدۂ شکر بجا لاتے کہ ہمارے خالق کو ہماری رُوح کی صحت کا کتنا خیال ہے۔ اور لطف یہ کہ اب تو تمھارے جسمانی ڈاکٹروں کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ یہ پابندی جسمِ انسانی کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔ ہاں ! مگر خیال رکھنا ڈاکٹروں کے کہنے پر یہ پابندی قبول نہ کرنا بلکہ حکیمِ مطلق کا نسخہ سمجھ کر اِسے شوق سے قبول کرنا۔ نیّت کے بدلنے سے نتائج بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ دُنیا کے قانونِ عدالت پر ہی نگاہ کر کے دیکھ لو۔

اِس پابندی پر مزید غور کرو!

خالقِ انسانی اور خالقِ کائنات نے یہ تدبیر بتلاتے ہوئے اس کی وجہ بھی بتا دی کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تمھارے اندر محتاط زندگی بسر کرنے کا وصف پیدا ہو جائے) احتیاط اسی وصف کا نام ہے کہ جہاں سے شبہ پیدا ہو کہ ایسا کرنا نقصان دہ ہوگا۔ آدمی اس کام سے رُک جائے۔ اس وصف کا نام احتیاط ہے اور خالق کی زبان میں اس کا نام تقویٰ ہے اور جن لوگوں میں یہ وصف پیدا ہو جائے انھیں محتاط انسان کہتے ہیں زبانِ وحی میں انھیں متقی کہتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اس تدبیر پر پوری دیانت داری سے عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمھیں احتیاط سے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آجائے گا۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کے اندر نفع اور نقصان کی تمیز موجود ہو تاکہ نقصان سے بچنے کی تدبیر اختیار کر سکے۔ اس لئے خوب سمجھ لو کہ نفع کا کام وہ ہے جس سے خالق راضی ہو۔ یعنی

انسان اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کر رہا ہو۔ اور نقصان یہ ہے کہ آدمی اپنے خالقِ حقیقی کو ناراض کرے اور اپنے مقصدِ تخلیق سے دُور جا پڑے۔

اس تدبیر کے نتیجہ خیز اور بے نتیجہ ہونے کا معیار بھی ہاتھ آگیا۔ یعنی سال بھر میں ایک مہینہ تک یہ مشن جاری رکھنے کے بعد اگر تمھاری عملی زندگی میں تمھارے معاملات میں کوئی اچھی تبدیلی آگئی یعنی تم میں کسی درجہ کا تقویٰ پیدا ہوا، تو ظاہر ہے کہ یہ مشق بار آور ثابت ہوئی اور اگر تمھارے حالات اس مہینہ کے بعد بھی ویسے ہی رہے جیسے ایک مہینہ پہلے تھے تو معلوم ہو گیا کہ احتیاط کی حقیقت سے تم محروم ہی رہے اور مہینہ بھر عملی زندگی کے سٹیج پر احتیاط کی ایکٹنگ کرتے رہے ۔ صوم ہے ایمان سے، ایمان رخصت صوم گم ۔

روزہ بر جوع و عطش شبخون زند ❊ روزہ بھوک اور پیاس پر شب خون مارتا ہے
خیبرِ تن پروری را بشکند ! ❊ جسم پالنے کے خیبر کو توڑتا ہے

تیسری تدبیر

تم نے اپنے مشاغل کو قربان کر دیا۔ تم نے اپنا آرام تج دیا کہ خالق کی بات ماننے کا سلیقہ آجائے مگر ایک اور مشکل سامنے موجود ہے۔ یہ ایسی رکاوٹ ہے کہ آدمی یہاں پہنچ کر کہہ اُٹھتا ہے، "چمڑی جائے دمڑی نہ جائے"۔ دولت واقعی بڑی محبوب شے ہے کیونکہ دانا کہتے ہیں، دام بنائے کام۔

مگر تم نے کبھی یہ بھی نہ سوچا کہ تم نے یہ دولت حاصل کیسے کی ؟
فرض کرو ! تم بہت بڑے جاگیردار ہو۔ زمین تمھارے لئے سونا اُگلتی ہے

لیکن اِس سے اُگلواتا کون ہے ؟ تم نے فصل بویا۔ اُگا۔ پانی دیا۔ بڑھا۔ وقت گزرا، پک کر تیار ہو گیا اور تم اپنی محنت یا لیاقت پر ناز کرنے لگے۔ ژالہ باری ہوئی پکی پکائی فصل تباہ ہو گئی۔ تم کیا کر سکتے ہو ؟ تمھاری کوئی تدبیر اس کا مقابلہ کر سکتی ہے ؟ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ اُس کی عنایت ہے۔ جس کی بخشش اتنی عام ہے۔ یا فرض کرو تم صنعت کار ہو۔ سائنس دان ہو۔ ڈاکٹر ہو۔ انجنیئر ہو۔ صاحبِ اقتدار ہو۔ اور تم نے اِن وسائل سے دولت جمع کر لی ہے۔ یعنی یہ تمھاری لیاقت اور ہمت کا نتیجہ ہے لیکن سوچو کہ وہ عقل اور ذہن تم کہاں سے لائے جس نے اِن میدانوں میں تمھاری رہنمائی کی، وہ صلاحیتیں تم کہاں سے لائے ؟ جن کو بروئے کار لا کر تم نے ہر میدان میں اپنا مطلوب حاصل کیا۔ تمھارا فلسفہ اور تمھاری فکر اس کے بغیر اس کا کوئی جواب نہیں پیش کر سکتا۔ نہ یہ عقل تمھاری اپنی ہے نہ یہ قوتیں، نہ صلاحیتیں تمھاری ذاتی پیدا کردہ، نہ وہ وسائل تمھارے قبضے میں ہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اُس خالق کا عطا کردہ ہے جس نے تمھاری پیدائش کا مقصد متعین کیا ہے، اور سب صلاحیتیں اور ان صلاحیتوں کا حاصل اس مقصد تک پہنچنے کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ اس اندازِ فکر کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ جو دولت تمھارے پاس جمع ہے وہ تمھاری نہیں، تم اس کے امین ہو۔ پھر کیا انسانیت اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں کہ اصل مالک سے پوچھ کر اس امانت کو استعمال میں لاؤ۔ کیا عقلِ سلیم اس حقیقت کا انکار کر سکتی ہے ؟

اُس نے تمھیں آزادی دی کہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دولت کماؤ۔ ہاں ! ذرائع آمدنی اور جائز و ناجائز کا فرق واضح کر دیا اور بتا دیا کہ ناجائز ذریعہ معاش اختیار نہ کرنا جیسے کوئی طبیب کسی شخص کو اجازت دے دے کہ دودھ پیا

کرو مگر کُتیا کا دُودھ نہ پینا۔ بھلا اس پابندی کو کوئی انسان ناپسند کرے گا؟ یا یہ پاکیزہ غذا کھاؤ۔ گو ہر غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے مگر مٹی نہ کھانا۔ کیا کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس اِس بات پر ناک بھوں چڑھا سکتا ہے کہ ایسی عام سہل الحصُول اور سستی چیز کے کھانے سے روک دیا گیا ہے۔

جب تم ایسی پابندیوں سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتے تو خالق کی عائد کردہ پابندیاں جو تمھاری ہی بہتری کے لئے ہیں تمھیں کیوں بوجھ محسوس ہونے لگیں؟ جس طرح اس نے دولت کمانے پر تمھاری بہتری کے لئے کچھ پابندیاں لگائی ہیں اِسی طرح خرچ کی مَدات پر بھی کچھ پہرے لگاتے ہیں تاکہ تم اس گاڑھے پسینہ کی کمائی کو ضائع نہ کر بیٹھو۔ اور جہاں اس نے خرچ کرنے کا حکم دیا وہاں دل کھول کر خرچ کرو کہیں کنجوسی اور زر پرستی کے مرض میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

ایسے اخراجات میں سے ایک مد ایسی بھی ہے کہ اس کے فوائد کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تدبیر یوں بتائی کہ وہ دولت جو سال بھر تمھارے پاس جمع رہے۔ ظاہر ہے کہ تمھاری ضروریات سے زائد ہے۔ ورنہ وہ کہیں استعمال ہوتی اس میں سے چالیسواں حصّہ ہر سال الگ کر دیا کرو اور اس کا ایسا انتظام کرو کہ ان ہاتھوں تک پہنچ جائے جو کسی مجبُوری کی وجہ سے اسے حاصل نہیں کر سکے۔

دیکھو! اس میں کتنے نکات جمع ہیں اوّل یہ کہ یہ مال تمھارا نہیں۔ جس کا ہے اس کے حکم کی تعمیل کرو، ورنہ تم خائن قرار پاؤ گے کہ تم نے امانت کا حق ادا نہیں کیا۔ دوم یہ کہ اصل مالک یہ بھی کر سکتا تھا کہ سارے کا سارا مال واپس کرنے کا حکم دے دیتا مگر اُس کی عنایت دیکھو کہ صرف چالیسواں حصہ مقرر کیا سوم یہ کہ اس مال سے تم نے اُس خالق کا کوئی بگڑا ہوا کام نہیں سنوارا بلکہ اپنے ہی بھائی

بندوں کو سہارا دیا۔ چہارم یہ کہ یہ مال تمھارا ہے ہی نہیں بلکہ تمھارے امتحان کے لئے تمھارے پاس پہنچا دیا گیا۔ یوں سمجھو کہ ایک چشمہ سے کئی نالیاں بہہ نکلی ہیں کہ مختلف لوگوں کے مختلف کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ کچھ کھیتوں کے مالک ایسے ہیں کہ کسی فطری مجبوری کی وجہ سے ان نالیوں کی صفائی کا اہتمام نہیں کر سکتے ، اُن کے کھیتوں کے دہانے مٹی سے اَٹ گئے۔ پانی ان میں نہ پہنچ سکا۔ ان کے حصّے کا پانی دوسروں کے کھیتوں میں پہنچ گیا جن میں نسبتاً فطری صلاحیتیں زیادہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی کھیتی میں اضافہ کی وجہ وہ پانی ہے جو مجبوروں اور معذوروں کی نارسائی کی وجہ سے ان لوگوں تک پہنچ گیا۔ اب اگر یہ مطالبہ ہو کہ یہ زائد حصّہ جو تمھارے پاس آگیا ہے۔ ان معذوروں کو لوٹا دو۔ جن کے حصّے کا پانی تمھاری فصل میں اضافہ کا باعث ہُوا تو اس میں کون سی بات خلافِ عقل ہے۔ یہ تو احساسِ ذمّہ داری کے علاوہ انسانی ہمدردی اور اخلاقی بلندی تک پہنچنے کا زینہ ہے۔ اِسی طرح معاشرہ میں جو لوگ ذہنی یا جسمانی صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے دولت کمانے سے معذور ہیں۔ ان کا حق تمھارے پاس پہنچ گیا اس لئے یہ انھیں لوٹا دو۔ اِسی لئے اِس تدبیر کی تعریف یہ کی گئی کہ

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَائِهِمْ امراء سے لو اور فقراء کو لوٹا دو

اگر تم نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے دیانت داری سے یہ تدبیر اختیار کی تو اپنے خالق کا کہنا ماننے کے سلسلے میں دولت تمھارا راستہ نہیں روک سکے گی اور اگر تم نے اس تدبیر کو ٹھکرا دیا تو اپنے مقصدِ تخلیق سے دُور جا پڑو گے اپنے خالق کو ناراض کر بیٹھو گے اور اپنے معاشرہ میں بدترین انسان شمار ہو گے۔ خوب سمجھ لو کہ ٹیکس کی چوری سے احتساب سے بچ جانا تو ممکن ہے لیکن اس

تدبیر کو عمل میں لانے کے سلسلے میں سینہ زوری سے کام لینا اس کے بُرے نتائج سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کے اس احسان کا شکر کرے کہ اس نے نہایت مہربانی سے محض چالیسواں حصّہ دینے کا حکم فرمایا اور مجھے اپنا بندہ بننے کا گر سکھایا اور نہایت خوشدلی سے اس تدبیر پر عمل کرے۔

سال بھر میں ایک مرتبہ اس تدبیر پر عمل کرنے سے بقیہ مال پاک صاف ہو جائے گا اور اس سے جو قوت حاصل ہو گی وہ ایسے کاموں کی طرف رہنمائی کرے گی جو خالق کو پسند ہیں اور اگر یہ مال جو دوسروں کا حصّہ ہے اپنے مال میں ملا رہا تو اس میں ایسے جراثیم پیدا ہو جائیں گے جو انسان کے ڈھانچے کے اندر کے حقیقی انسان کے خون میں داخل ہو کر اسے درندہ صفت بنا دیں گے اور وہ زر پرست بن کر پوری انسانیت کے لئے مستقل عذاب بن جائے گا۔

حبِّ دولت را فنا سازد زکات	دولت کی محبت کو زکوٰۃ فنا کرتی ہے
ہم مساواتِ آشنا سازد زکات	زکوٰۃ برابری کا سبق دیتی ہے
دل ز حبِّ تنفقوا کم کند	دل کو خرچ کی توفیق دے کر ایمان کو پختہ کرتی ہے
زر فزاید اُلفت زر کم کند	دولت کو بڑھاتی ہے لیکن دولت کی محبت کو کم کرتی ہے

چوتھی تدبیر

طبِّ جسمانی میں مختلف دواؤں کی خصوصیات مختلف ہوتی ہیں۔ بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی ایک خاص مرض کے ازالہ میں کام آسکتی ہیں بعض

ایسی جامع دوائیں ہیں۔ جو بیک وقت کئی امراض کے علاج میں کام آتی ہیں اسی طرح خالق کائنات نے انسان کو انسان بنانے کے لئے ایک ایسی تدبیر بتائی ہے جس سے تمام امراض کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ تمام رکاوٹیں دور ہوسکتی ہیں۔

وہ تدبیر یہ ہے کہ انسان عمر بھر میں ایک مرتبہ اُس مقام کی زیارت کو جائے جہاں سے ہدایت کا یہ آخری چشمہ پھوٹا تھا۔ ظاہر ہے کہ اِس کام کے لئے اپنا کاروبار معطل کرنا پڑے گا۔ اپنا آرام تج دینا ہوگا۔ اپنے اہل وعیال سے بچھڑنا ہوگا۔ اپنے وطن کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کرنا پڑے گی۔ اور اپنے جسم کو سفر کی صعوبتوں سے دوچار کرنا پڑے گا۔ گویا ایک ہی نسخہ میں سارے اجزاء سمو دیئے گئے۔ جو اُن تمام امراض کا ازالہ کر سکتے ہیں جو انسانیت کی نیچیں میں رکاوٹ بن کر سامنے آتی ہیں۔

گھر سے نکلنے سے پہلے تم اپنے آپ کو ذہنی طور پر یوں تیار کرو کہ اپنے خالق کے اس گھر کی زیارت کو جاؤں گا۔ جو توحید باری کا اتنا پرانا نشان ہے جسے سن وسال کے پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔ مجھے اِس عظیم الشان مہم کی تیاری کرنی چاہیئے ایسی تیاری جو ظاہری اور باطنی طور پر اس مہم کے شایان ہو۔ چنانچہ ذہنی جسمانی، مالی اور جذباتی طور پر ایک ایسی کیفیت طاری ہے گی کہ تمہارے روزمرہ کے مشاغل کے باوجود تمہارے ذہن سے اس کی طرف سے توجہ ہٹنے نہ پائے گی۔ تم دُور رہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس کے قریب محسوس کرتے رہو گے۔ گھر سے نکلتے ہی تمہارے اندر ایک تازہ ولولہ، ایک شیریں یاد، ایک انوکھی اُمنگ پیدا ہوگی۔ بظاہر تم ایک مانوس ماحول سے جُدا ہو رہے ہو۔ مگر تمہاری چشم تصور کے سامنے زمان ومکان کے طویل فاصلے سمٹ رہے ہوں گے،

اور تم عملاً اللہ کا کہنا ماننے کا آغاز کر رہے ہو گے۔ خالق کے ارشاد کی تعمیل میں گھر بار کام کاج چھوڑ کر دیارِ حبیب ﷺ کی طرف قدم اُٹھ رہے ہوں گے۔ خالق کو راضی کرنے کے لئے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کا ایک معتدبہ حصّہ خرچ کرنے کی ابتدا ہو رہی ہو گی۔

لو! اب تم اپنے خویش و اقارب، دوست احباب کو الوداع کہہ کر گھر سے نکل پڑے۔ سفر کی مشکلات کا آغاز ہو گیا، قسم قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑنے لگا طرح طرح کی طبیعت، رنگا رنگ کے مزاج کے لوگ رفیقِ سفر ہیں۔ بعض اوقات کسی کی بدتمیزی پر غصّہ آتا ہے کبھی اپنے مزاج کے خلاف کوئی حرکت دیکھ کر خون جوش مارنے لگتا ہے۔ کبھی کسی کی کوئی اُلٹی سیدھی حرکت دیکھ کر بپھرنے لگتے ہیں مگر فوراً یاد آجاتا ہے کہاں چلے ہو؟ وہاں جانے کے آداب سے واقف نہیں ہو گیا؟ سُنو! اپنے گھر بلانے والا اس ساری کارروائی سے قبل از وقت واقف تھا۔ اس لئے کہہ رہا ہے کہ:

"وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" حج کے دوران کوئی جھگڑا نہیں نہ ہی فسق ہے

تم ابھی سے آپے سے باہر ہونے لگے تو اس کی بات مان لینے کا سلیقہ کیونکر سیکھو گے؟ ضبط کرو، تمھاری اوور ہالنگ ہو رہی ہے۔ جذبات کو قابو میں رکھو، غصّہ پر قابو پانا سیکھو۔ خلافِ طبیعت ماحول میں شرافت، وقار اور ضبط سے وقت کاٹنا سیکھو۔

لو سُنو! اعلان ہو رہا ہے۔ میقات پر پہنچ گئے۔ احرام باندھ لو، یعنی دیارِ حبیب ﷺ کی حدود کے قریب پہنچ گئے ہو۔ سراپا ادب بن جاؤ! غسل کرو، لباس بدلو، دوگانہ ادا کرو اور صاحبِ خانہ سے توفیقِ ادب مانگو، لو!

تم نے اپنی پسند کے کپڑے اُتار پھینکے، اب صرف دو اَن سلی چادریں تمہارا لباس ہے۔ رنگوں کے انتخاب کا سلسلہ ختم ہُوا کپڑے کی کوالٹی دیکھنے کی فکر جاتی رہی لباس کی وضع قطع، تراش خراش کا جھمیلہ قصّہ ماضی ہوگیا۔ یعنی تم نے اعلان کر دیا اور عملی طور پر دِکھا دیا کہ اے میرے مالک! اب میری پسند کا معاملہ ختم ہوا اب میری زندگی کے ہر معاملے میں تیری پسند چلے گی۔ یہ لباس میرے اِس عہد کا مظہر ہے کہ میں نے اپنے لباس تک کے معاملے میں اپنی پسند کو دخل دینے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ دیکھنا! اس عہد پر قائم رہنا۔ ایسا نہ ہو وہاں سے پلٹ کے پھر وہی بے لگام زندگی بسر ہونے لگے۔

خیر! یہ تو تمہاری ذات کا معاملہ تھا۔ ذرا اپنے گرد و پیش رفقائے سفر پر نگاہ کرو۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ حدِ نگاہ تک سفید چادریں اور سنگے سر نظر آتے ہیں۔ سوچو! یہ کون سا منظر ہے جس کی یاد دلائی جا رہی ہے۔ اِس لباس میں تمھیں یہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا پڑے گا۔ اور اِسی لباس میں احکم الحاکمین کی عدالت میں کھڑے ہو کر اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔ یہ لباس کیا ہے؟ دو جہانوں کا سنگم ہے۔ دنیوی اور اُخروی زندگی کا مقام اِتصال ہے۔ اِدھر عہد ہو رہا ہے۔ اُدھر مستقبل سامنے دِکھائی دیتا ہے۔

حیران ہونے کی کوئی بات نہیں، ابھی تھوڑی دیر بعد جب منزلِ مقصود پر پہنچو گے۔ تو تمھیں ہر طرف اِسی لباس میں ملبوس ایک دُنیا ملے گی۔ کیا یہ سب یہی عہد کر کے آتے ہیں؟ کیا انھیں اس لباس کی حکمتوں کا اِحساس ہے؟ کیا انھیں اپنے مستقبل قریب اور مستقبل بعید کی کوئی فکر ہے؟

خدا کرے، ایسا ہی ہو!

لو! اب تم اپنے وطن سے دُور، بہت دُور ایک نئی سرزمین میں قدم رکھ رہے ہو۔ کیا وہ منظر تمھاری چشمِ تصوّر کے سامنے نہیں آرہا کہ محسنِ انسانیت ﷺ کو اپنے پروردگار کے ایک حکم کی تعمیل میں اپنا وطن چھوڑنا پڑا تھا، آج تم سے ہجرت کی یاد تازہ کرائی جارہی ہے۔ تم نے اپنے وطن سے ہجرت کی، مگر کیوں؟ اِس واسطے کہ تمھارے خالق نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اب یہ مشق تمھیں اس بات پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے کہ تمھیں یہاں یوں رہنا ہے کہ جو کچھ وہ کہے وُہی کرو۔ پھر یہ تبدیلیٔ ملک اس بات کا سبق دے رہی ہے کہ تم صرف یہ نہ سمجھو کہ ایک جغرافیائی سلطنت کی حدُود سے نکل کر ایک نئے جغرافیائی ماحول میں آگئے بلکہ یہ سمجھو کہ اب میں ہوا و ہوس کی حکمرانی سے نکل کر اطاعتِ الٰہی کی حدود میں داخل ہوگیا۔ اتباعِ ہوٰی کو چھوڑ کر اتباعِ ہدٰی کو دستورِ حیات قرار دیا۔

لو! اب تم ایک نئی سواری سے بُلانے والے کی طرف جارہے ہو۔ ابھی کچھ فاصلہ باقی تھا کہ سواری رُکی یعنی قانونی چیکنگ شروع ہوئی۔ سامنے دیکھو! ایک بورڈ آویزاں ہے۔ "حدائقِ حدیبیہ"۔ ذرا بائیں طرف نگاہ کرو اور چشمِ تصوّر کو چودہ سو برس پُرانے ایک منظر پر جما دو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں صرف اپنے مالک اور خالق کی بات مان کر زندگی بسر کرنے والے چودہ سو (۱۴۰۰) قدسیوں کی جماعت اپنے خالق کے گھر کی زیارت کے لئے آرہی تھی کہ باطل نے اُن کا راستہ روک لیا وہ تو جنگ کے لئے گھر سے نہیں نکلے تھے۔ وہ رہ نوردانِ عشق کا قافلہ تھا۔ مگر باطل کو دلائل سے کیا غرض ہوتی ہے۔ عشاقِ حق کو روک دیا گیا صُلح کی شرائط طے ہونے لگیں۔ ایک سنسنی خیز خبر پہنچی کہ پرستارانِ حق میں سے ایک فرد، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ نے قتل کردیا۔ حق کا راستہ روکنا ایک

ظلم اور ستم بالائے ستم یہ کہ ایک ایسے قیمتی انسان کو قتل کر دیا گیا جس کا بدلہ لینے کے لئے محسن انسانیت ﷺ نے اپنی انیس برس کی کمائی ۱۴۰۰ جاں نثاروں سے عہد لیا کہ جان دے دیں گے۔ خالق ارض وسما یہ منظر دیکھ رہا تھا اور ان کے دلوں کی کیفیت سے بھی واقف تھا۔ لہٰذا اُسی وقت چار انعامات کا اعلان کر دیا۔ دیکھو! کس قدر دان مالک سے ہمارا تعلق ہے۔ کیا کرایا کچھ نہیں، صرف اپنے قلب کا رُخ اس کی طرف کر دیا اور عہد کیا کہ ہم وہی کریں گے جو تو کہے گا مگر صرف زبان سے نہیں کہا، دل کی گہرائیوں سے عہد کیا۔ مالک کی قدر دانی دیکھو۔ گویا یہاں پہنچ کر تمھیں یہ سبق ملے گا کہ اپنے خالق کے ساتھ معاملہ کھرا رکھو پھر اس کی قدردانی کا نظارہ کرو۔

لو! اب تم حرم کے پاس پہنچ گئے۔ اللہ کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اندر جھانک کر دیکھو، ممکن ہے تمھیں آواز آئے ؂

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

بات تو واقعی شرم کی ہے مگر کوئی بتائے کہ یہ در چھوڑ کے اور جائیں کہاں۔ بڑے ادب سے کہہ دو ؂

می توانی کہ دہی اشک مرا حُسن قبول ‏— تو اگر چاہے تو میرے آنسوؤں کو قبول کرے
اے کہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را ‏— آخر تو نے بارش کے قطرے کو بھی تو موتی بنا لیا ہے

لو دیکھو! سیاہ پتھروں کی ایک چوکور عمارت سامنے ہے۔ اس پر سیاہ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ یہ عمارت نہیں توحید کا نشان ہے، قدیم ترین نشان، انمٹ نشان، عظیم الشان نشان۔ یہ نشان اُس ہستی کا مادی مظہر ہے کہ

جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَار۔ بلکہ ہر آنکھ دیکھنے کے لئے بیتاب ہے۔ اس لئے مادی آنکھ خانہ خدا کو دیکھے۔ جس طرح وہ اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح کرۂ ارض پر اس کی صفات کا یہ مظہر لاشریک ہے۔ تمھاری آنکھ نے کریم کا دروازہ دیکھا۔ اب تمھارے دل کا کام ہے کہ کریم سے مانگے لیکن تمھیں مانگنے کا سلیقہ بھی کب آتا ہوگا۔

اچھا! پہلے یہی مانگو کہ میرے خالق مجھے مانگنے کا سلیقہ ہی سکھا دے۔ پھر یہی مانگ لو کہ مجھے اپنا بنالے تاکہ میں اپنی تخلیق کا مقصد تو پورا کر سکوں کہ جب تک جیوں گا جو تو کہے گا وہی کروں گا۔ جب تو مجھے اپنا بنالے گا، تو تجھے چھوڑ کر میں کہیں اور کیوں جاؤں گا؟

سوچو! یہ گھر کب سے بنا ہے؟ اس مدت کی پیمائش ماہ و سال کے پیمانے سے نہیں ناپی جا سکتی۔ جب کرۂ ارض پر انسان نام کی مخلوق بسنے کے لئے پیدا کی گئی اسی وقت یہ گھر بھی بنایا اور بسایا گیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ"

لو دیکھو! تمھارے ہزاروں بھائی اس کے گرد دیوانہ وار چکر لگا رہے ہیں تمھیں بھی یہی کرنا ہے مگر کیسے اور کیوں؟ وہ دیکھو! ایک کونے میں ایک سیاہ پتھر ہے اسے ہاتھ لگاؤ اور عہد کرو کہ میرے خالق! آج میں تیرے گھر میں آکر تیرے دربار میں پہنچ کر یہ عہد کر رہا ہوں کہ میں اپنی زندگی یوں گزاروں گا جیسے تو حکم دے گا۔ پھر سات چکر لگاؤ اور ہر چکر شروع کرتے وقت اسی سیاہ پتھر پر پہنچ کر یہ عہد دہراؤ۔ تمھارا یہ چکر لگانا محض ورزش نہیں۔ یہ خود ایک عملی عہد ہے کہ جس طرح آج یہ میرا جسم تیرے گھر کے گرد چکر لگا رہا ہے اسی طرح

میرا قلب اور میرا ارادہ تیری رضا کے گرد گھومے گا اور یہ سات چکر لگا کر میں یہ عہد کر رہا ہوں کہ میری زندگی میں ہفتے کے وہی سات دن لوٹ کر بار بار آتے ہیں یعنی میری زندگی کا ہر روز گویا تیری رضا کے گرد گھومنے کا ایک سفر ہوا کرے گا اور ہر روز کی ابتدا اسی عہد کے تازہ کرنے سے ہوا کرے گی۔ اور ہر دن کی صبح کو اگرچہ میں اس پتھر کے پاس پہنچ کر اپنا عہد نہ دہرا سکوں۔ مگر تیرے اس گھر کی معنوی نسل جو ہر گاؤں، ہر محلے میں پائی جاتی ہے اس میں پہنچ کر میں یہ عہد لازماً تازہ کرتا رہوں گا۔ دیکھنا! اس حقیقت کو بھلا نہ دینا۔ تم سات چکر پورے کر چکے خیال رکھنا، مکر نہ جانا، بے وفائی نہ کرنا۔

اب باب کعبہ کے سامنے آؤ اور دل کی گہرائیوں سے کہو ؎

ومالی غیر باب اللہ باب ولا مولیٰ سواہ ولا حبیب

میرے لئے اللہ کے دروازے کے سوا کوئی دروازہ نہیں اور نہ ہی کوئی مالک اس کے سوا ہے اور نہ دوست

تیرا دروازہ چھوڑ کر کسی دروازے پر نہیں جاؤں گا۔ مگر تمہارا ماضی ایک فلم کی ریل کی طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ تمہیں اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ دیکھنا مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کا اعلان ہے۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک وہ تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے

ہاں! ہاں! تمہیں احساس ہونے لگا کہ دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ لو آگے بڑھو۔ یہ ملتزم ہے دیوار سے چمٹ جاؤ اور گڑگڑا کے کہو ؎

الٰہی عبدک العاصی اتاک　　مقرا بالذنوب وقد دعاک

وان تغفر فانت لذاک اھل　　وان تطرد فمن یرحم سواک

میرے خالق! تیرے اس عاجز اور نادان بندہ کی زندگی غفلت نادانی

اور نافرمانی میں گزری۔ اب وہ تیرے دروازے پر آگیا ہے اور تو ایسا کریم ہے کہ یہاں سے کوئی محروم نہیں لوٹا۔ اس لئے اگر تو میرے قصور معاف فرما دے تو یہی عنایت تیری شان کے لائق ہے اور اگر تو میری خطاؤں کے پیشِ نظر مجھے اپنے دروازے سے دھتکار دے گا تو مجھے اتنا بتا دے کہ اس دروازے کے بغیر کوئی اور دروازہ بھی ہے؟ اور تجھ سے بڑھ کر اور کوئی رحیم ہستی بھی ہے؟ جب غفار بھی تو ہے اور رحیم بھی تو ہے تو میں یہاں سے نامراد کیوں کر لوٹوں؟

یہ خیال رہے کہ اپنے دامن سے معاصی کے داغ دھبے دھونے اور صاف کرنے کا یہی موقع ہے۔ اپنے قلب سے گناہوں کا زنگ دور کرنے کا یہی وقت ہے یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

اب ذرا ہٹ کر بابِ کعبہ کے سامنے مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھو۔ مگر یہ مقام کیا ہے؟ اور ابراہیمؑ کون ہے؟ ہاں! ہاں! ابراہیم علیہ السلام وہ ہستی ہے کہ اپنے خالق کی بات ماننے اور سب کی بات ردّ کرنے کے لئے اس ہستی کی زندگی رہتی دنیا تک روشنی کا مینار ہے۔ اسے گھر والوں نے کہا، ہماری بات مانو۔ کہا، ہرگز نہیں! برادری نے کہا، قوم نے کہا، وقت کے جابر ترین حکمران نے کہا، "میری بات مانو!"

اس نے کہا، "نہیں! میں تو ربّ کی بات مانوں گا کیوں کہ میری تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔"

اسے کنبہ چھوڑنا پڑا، گھر چھوڑنا پڑا۔ مگر اس نے کہہ دیا کہ سب کچھ چھوڑ دوں گا مگر ربّ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسے قتل کی دھمکی دی گئی اسے آگ میں ڈالا گیا۔ اس نے سب کچھ قبول کیا مگر اپنی بات سے نہ ہٹا۔ اس کا خالق یہ سارے

نظارے دیکھتا رہا۔ جب یہ تمام امتحانوں میں پاس ہو گیا تو مالک کی طرف سے انعامات کا اعلان ہونے لگا۔ سب سے پہلا انعام بلا کہ تو رہتی دُنیا تک اللہ کی بات مان کر زندگی بسر کرنے والوں کے لئے روشنی کا مینار قرار دیا گیا۔ پھر تیری نسل میں انسان کی ہدایت و رہنمائی کا منصب قیامت تک قائم رہے گا۔ پھر کہا گیا کہ یہ گھر جس کی بنیادیں بھی تمھارے باپ آدم علیہ السّلام نے رکھی تھیں امتدادِ زمانہ سے منہدم ہو چکی ہیں۔ اب تُو اُن بنیادوں پر دیواریں اُٹھا اور تیری یہ تعمیر قیامت تک آنے والوں کے لئے مرکزِ ہدایت کا کام دے گی۔

ہاں تو اِسی مقدس ہستی ابراہیم علیہ السلام کی سُنت زندہ کرتے ہوئے تم یہاں دو رکعت ادا کرو پھر وہی عہد تازہ کرو اور اپنے ربّ سے دُعا کرو کہ جس طرح تُو نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کو اپنا بنا لیا تھا۔ مجھے بھی اس کے صدقے سب دروازوں سے بے نیاز کر کے اپنے دروازے پر قائم رہنے کی استقامت عطا فرما، تا کہ میری زندگی کا نقشہ بھی اس طرح بن جائے کہ ؎

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حُکم اذاں، لا اِلٰہ الّا اللّٰہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ

لو! اب بیت اللہ سے ذرا اور ہٹ کر دیکھو۔ دو پہاڑیوں کے درمیان لوگ آتے جاتے ہیں۔ کہیں تو دوڑتے ہیں، کہیں عام رفتار سے چل رہے ہیں شاید تم سوچو کہ یہ کیا حرکت ہے مگر تمھیں یہی کچھ کرنا ہو گا۔ یہاں بھی سات چکر لگانے ہیں۔ یہ پہاڑیاں صفا اور مروہ ہیں۔ مگر یہ لوگ کیوں دیوانہ وار پھر رہے

ہیں۔ ذرا ماضی کے اوراق اُلٹ کر دیکھو، اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ یہاں اپنی بیوی اور معصوم بچے کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ یہ بے آب و گیاہ غیر آباد اور سنسان جگہ اور اپنی رفیقہ حیات اور جگر گوشہ کو یہاں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم۔ مگر اِس اللہ کے بندے نے وجہ نہیں پوچھی، چھوڑ کر چلا گیا۔

بیوی نے پوچھا: ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟

صرف اِتنا کہا، اللہ کے حوالے اور مُڑ کے بھی نہ دیکھا۔

بیوی بھی حقیقت شناس تھی کہا، تو پھر کوئی فکر نہیں بے شک چلے جاؤ مگر ایسا کہنے سے نہ جگہ بدل سکتی تھی نہ وہاں پل بھر میں آبادی ہو سکتی تھی چنانچہ وقت گزرا۔ معصوم بچے کو پیاس نے ستایا۔ ماں کی مامتا جوش میں آئی بے تابانہ پانی کی تلاش میں نکلی صفا سے مروہ کی طرف چلی، تھوڑی دُور چلی تو وادی میں پہنچ گئی۔ بچہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ دوڑنے لگی جب بلندی پر پہنچی تو بچہ نظر آنے لگا۔ پھر چلنے لگی۔ مروہ تک پہنچ کر پھر واپس آئی۔ اس طرح سات چکر لگائے۔ آخر میں کیا دیکھتی ہے کہ بچہ بلک بلک کر ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور وہاں سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا ہے۔ پانی اِدھر اُدھر پھیلنے لگا۔ اس کے گرد مٹی ڈال کر روکنے لگی۔ اور زبان سے نکلا، "زم زم!" رُک جا، رُک جا۔

خالق کو اپنی اِس فرمانبردار بندی کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک اُس کی اِس ادا کی نقل کرنا اس گھر کی زیارت کا ایک لازمی جزو قرار دیا۔ لو! تم بھی یہاں چکر لگاؤ اور اپنے خالق سے التجا کرتے جاؤ کہ اے میرے قدردان مالک جس طرح تو نے اپنی اس بندی کی سعی کو قبول کرتے ہوئے اِس بے آب و گیاہ زمین میں پانی کا لازوال چشمہ جاری کر دیا۔ میرے دِل کی سنگلاخ زمین سے

اپنی معرفت کا چشمہ جاری کر دے تیری رحمت سے کیا بعید ہے اور یہ خیال رکھنا کہ اپنے رب کی بات ماننا اتنی بڑی سعادت ہے کہ ایسے لوگوں کی اداؤں کی نقل کرنا بھی جلبِ رحمت کا باعث بن جاتا ہے تم بھی ہر سعی میں صفا و مروہ کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کو سامنے رکھ کر دعا کرنا اور یہ سمجھ لینا کہ یہاں یہ سکھایا جا رہا ہے کہ زندگی سعیِ مسلسل ہے مگر اس سعی میں ایسا محو نہ ہونا کہ اپنے رب کو ہی بھلا بیٹھو، اس لئے ہر موڑ پر ایک دفعہ کھڑے ہو کر اپنے دل کا رُخ اپنے ربّ کی طرف کر کے دُعا کے لئے اس کے حضور ہاتھ پھیلا دیا کرو۔

لو! اب زمزم کے پاس آؤ اور جی بھر کر پانی پیو اور یاد کرو کہ اس وقت یہ پانی کتنی بڑی نعمت ہوگا اور اس کی کتنی قدر و قیمت ہوگی جب یہ چشمہ پھوٹا ہوگا۔ اِس لئے پہلے اللہ کا شکر ادا کرو پھر دعا کرو اور اس کے بعد پانی پیو۔ پھر یہاں ذرا رُک کر سوچو کہ معصوم بچے کی ایڑیوں سے جو چشمہ جاری ہُوا اُس کی برکت یہ ہے کہ آج ہزاروں برس گزر گئے مگر پانی نکلنا بند نہ ہوا اور نہ کوئی رکاوٹ پیش آئی اور نہ اس ماحول میں کوئی اور چشمہ یا کنواں آج تک وجود میں آیا۔ یہ مشینوں کا کام نہیں۔ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ ایسے قادر اور کریم ربّ سے رشتہ جوڑنے کی فکر نہ کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

دیکھو! ایک وسیع میدانِ عرفات حدنگاہ تک پھیلا ہوا ہے جس میں تم کھڑے ہو دُنیا کے ہر ملک سے آئے ہوئے تمام انسان آج یہاں جمع ہیں دو چادروں میں ملبوس ننگے سر کھڑے ہیں۔ یہ منظر دراصل ایک آنے والے مہیب منظر کی یاد تازہ کرنے کے لئے کامل نقشہ پیش کرتا ہے۔ فرق اِتنا ہے کہ یہاں محدود تعداد میں لوگ جمع ہیں۔ وہاں ہر وہ شخص موجود ہوگا۔ جسے اس دُنیا میں بھیجا گیا تھا اور

وہاں ہر ایک سے اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اپنے خالق کی بات نہ ماننے والوں کو جس درجے رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا اس کا تصور کرو۔ یہاں تم اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی ایک شخص تمہارے کسی ایک عیب سے واقف ہو مگر وہاں تو سرِعام رسوائی ہوگی۔ اس لئے اس رسوائی سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہاں اپنے رب کی بات مان کر جینا سیکھو۔

دیکھو! تمہیں اپنی عزت کا کتنا پاس ہوتا ہے۔ اپنی بدنامی کا کتنا خوف ہوتا ہے مگر کیا تمہیں وہاں ساری دُنیا کے سامنے رُسوا اور ذلیل ہونے کا کوئی خیال نہیں۔ یہ سارا دن اسی سوچ میں اور اپنے ماضی پر نگاہ ڈالنے میں اور اپنا مستقبل بہتر بنانے میں بسر کرنا ہوگا۔ یہ موقع ہے کہ ماضی کے داغ دھبے اپنے دامن سے دھو لو اور پوری وفاداری کے جذبے کے ساتھ نئی زندگی شروع کرو۔

مگر اس نئی زندگی کی بسم اللہ کس چیز سے کرو گے؟

سُنو! اسی میدان میں ایک دن محسنِ انسانیت ﷺ نے اللہ کے بندوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایک سبق دیا تھا۔ وہ آخری سبق تم آج اپنا پہلا سبق ہی سمجھ لو تو کام بن جائے گا۔ آپؐ نے اعلان کیا تھا:

"لوگو! تمہارا ربّ ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔"

یعنی تم اللہ کو اپنا ربّ ہی سمجھ لو اور اس پر یقین سے جم جاؤ تو کام کی ابتدا ہو جاتی ہے اور تمام انسانیت کے لئے خیر خواہی کا جذبہ تمہارے اندر پیدا ہو جائے تو دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

پھر فرمایا، "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔"

کاش! تم اس بھائی چارے کی افادیت سمجھ لیتے۔ دوسرے مسلمانوں

کی تحقیر، تذلیل، تکفیر، تلعین تمہارا مشغلہ نہ بن سکتا۔ مگر خیر گزشت آنچہ گزشت اب تو اس گندے کاروبار کو خیر باد کہو۔

پھر فرمایا۔ "جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں کے نیچے کچل دی گئی"۔ جاہلیت خواہ پرانی ہو یا جدید بہرحال اسلام کی ضد ہے۔ مگر افسوس! کہ تم یا تو جاہلیت قدیم کو گلے سے لگائے بیٹھے ہو۔ یا جاہلیت جدید کے بوجھ تلے کراہ رہے ہو۔ مگر تمہیں اپنی خلاصی کے لئے امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تم اپنے گھر کے اندر جھانک کر اپنی لازوال دولتِ ایمان سے اس بیماری کا علاج کرنے کی فکر بلکہ ہمت نہیں کر پاتے۔

پھر فرمایا: "ہر حاضر کا فرض ہے کہ یہ پیغام ہر اُس غیر حاضر تک پہنچائے جو یہاں موجود نہیں"۔

کاش! یہ دُھن تم میں بھی سما جائے ؎

اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
روتا ہوا دیکھوں سرِ بازار تجھے بھی

لو! سُورج غروب ہوا تمہیں یہاں سے لوٹنا ہے مگر ہاں! ایک احتیاط ضروری ہے۔ یہ وقت وہ ہے کہ تمہیں اپنے خالق کے گھر بلایا جاتا تھا۔ اور بصد شوق تم اس کے گھر جا کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ مگر آج کے لئے حکم ہے کہ یہاں یہ کام نہیں کرنا بلکہ تین میل دُور جا کر مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھنا ہے۔ سوچو تو سہی! کیا نماز سے روکا جا رہا ہے؟ نہیں! بلکہ یہ سبق دیا جا رہا ہے اور پختہ کرایا جا رہا ہے۔ کہ صرف نماز پڑھنا عبادت نہیں بلکہ حکم ماننا عبادت ہے۔ جب نماز پڑھنے کا حکم ہوا اس وقت نماز پڑھنا عبادت اور جب

نماز نہ پڑھنے کا حکم ہوا تو نماز نہ پڑھنا عبادت یعنی بندہ کی زندگی کا مقصد صرف ایک ہے کہ مالک کا حکم مانے، چون وچرا کی یہاں گنجائش نہیں۔

لو! تم مزدلفہ پہنچ گئے۔ رات کھلے آسمان کے نیچے گزارنی ہے۔ نہ کوئی چھت ہے نہ مکان، نہ چارپائی نہ بستر۔ گویا تمھیں یہ سکھایا جارہا ہے کہ ہم نے تمھاری راحت وآرام کا ہر سامان تمھیں دے رکھا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ کیا تم اس سب سامان کو تج کر صرف ہمارے کہنے پر ایک رات جفاکشی سے گزارتے ہو؟

بات ایک ہی ہے جسے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے دُہرایا جارہا ہے کہ تمھیں ہماری بات ماننے کا سلیقہ آجائے، عادت ہوجائے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تمھارے اندر یہ داعیہ اور یہ تڑپ پیدا ہوجائے کہ محبوب کوئی حکم دے تاکہ مجھے اطاعت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مل سکے۔

لو! سورج نکلا اب تمھیں منیٰ پہنچنا ہے۔ وہاں تمھیں پہلا کام یہ کرنا ہے کہ کوئی جانور لے کر قربان گاہ پہنچنا ہے اور وہاں قربانی کرنی ہے مگر کیوں؟ اس لئے کہ ہزاروں برس پیشتر اللہ کے خلیل ابراہیمؑ کے ساتھ یہاں ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ بڑھاپے میں بیٹا ملا، جب ذرا سیانا ہوا تو خلیلؑ کو سوتے میں کہا گیا کہ اسے ذبح کردو۔ اللہ کا فرمانبردار بندہ۔ اپنے بیٹے کو لے کر گھر سے چلا۔ یہاں پہنچ کر بیٹے کو کہا، میں نے خواب دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کررہا ہوں۔ بیٹا کہتا ہے کہ ابّا جان جو آپ کو حکم ہوا شوق سے پورا کیجئے!۔

عجیب بات ہے، باپ خواب بیان کرتا ہے۔ بیٹا کہتا ہے جو حکم ہوا، کر گزریئے اور میرے صبر کا نظارہ کیجئے۔ کیوں نہ ہو نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ نبی بچپن میں جانتا تھا کہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے لہٰذا جواب میں یہی کہا کہ آپ

کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل ضرور کیجئے۔ رہا یہ خطرہ کہ میں اپنی جان پیش کرتے وقت کسی قسم کی بے صبری کا اظہار کروں گا تو تسلی دی کہ،

"ابا جان! اللہ کی مدد سے آپ میرے صبر کا نظارہ کر ہی لیں گے"۔

ظاہر ہے کہ یہ کمالِ عبدیت ہے کہ اللہ کا بندہ، اللہ کے کسی فیصلہ کے متعلق دل میں بھی یہ خیال نہ کرے کہ کاش! یوں نہ ہوتا۔ اور نبی کمالِ عبدیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور جن لوگوں کو نبی سے خونی یا معنوی تعلق ہوتا ہے وہ بھی کسی موقع پر بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے ؎

پسرِ خلیل کی سیکھ ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو
کہ چھری رُکے تو رُکے مگر نہ سر کٹنے پاتے ترا گلا

چنانچہ باپ بیٹا دونوں امتحان میں کامیاب نکلے اس لئے رب کریم نے اپنے خلیل کو حکم دیا کہ اس عظیم قربانی کے مظہر کے طور پر ایک جانور ذبح کر دو۔

آج تمہیں اسی مقام پر خلیلؑ کی اس سُنت کو قائم کرنے کے لئے ایک جانور ذبح کرنا ہوگا بلکہ دیکھنا! یہ کام محض ضابطے کی کارروائی بن کر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس عمل کی روح دل کی گہرائیوں میں موجزن ہونی چاہیئے اور یہ عہد کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری چلانا کہ اے مالک! میں تیرے حکم کی تعمیل میں یہ جانور تو کیا اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ اور اس راہ میں خواہشِ نفس، رسم و رواج، معاشرہ ماحول یا اور کوئی چیز رکاوٹ بن کر میرے سامنے آئے گی تو میں اس کے گلے پر چھری پھیر دوں گا مگر تیرا کہنا ماننے سے باز نہیں آؤں گا۔

لو دیکھو! لوگ یہاں سے فارغ ہو کر ایک طرف بھاگے جا رہے ہیں سامنے

ایک پتھر نصب ہے وہاں جا کر اسے کنکریاں مار رہے ہیں۔ مگر وہ کیوں ؟
کیا نشانہ بازی کی مشق کر رہے ہیں ؟ یا محض شغل ہے۔
نہیں ! یہ عمل بھی اس سفر کا ایک حصّہ ہے۔ ذرا اپنے ذہن کو ماضی کی طرف لوٹاؤ۔ بات یہ ہے کہ جب خلیل اللہ علیہ السلام اپنے جگر گوشہ کو قربانی کے لئے لے جا رہے تھے تو راستے میں انسان کا ازلی دشمن، ناصح مشفق بن کر تین مقامات پر خلیل اللہ کو اللہ کے حکم کی تعمیل سے باز رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ سمجھایا، بہلایا پھسلایا مگر وہ باز نہ آئے اور اسے دھتکار دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت سے روکنے کا کام صرف شیطان ہی کر سکتا ہے خواہ کسی لباس میں آئے اور یہ بہروپیا ہر بھیس بدل سکتا ہے۔ لہٰذا اسے دھتکار دیا تو تمہیں یہ عمل کرتے وقت یہ عہد تازہ کر لینا ہے کہ الٰہی میں جانتا ہوں اس لئے کہ تو نے بتایا ہے کہ شیطان تیرا ازلی دشمن ہے اس لئے خواہ ناصح بن کر آئے، مفکر بن کر آئے رہنما بن کر آئے، تہذیب اور انسانیت کا خادم بن کر آئے۔ میں اس کے جھانسے میں ہرگز نہیں آؤں گا اور میں صرف ایک علامت سے پہچان جاؤں گا۔ کہ اللہ کے حکم کی تعمیل سے روکنا صرف شیطان کا کام ہے۔ لہٰذا میں اس کو دھتکار دوں گا۔ مگر یہ تو سوچو ! یہ حملہ تو خارج سے ہوتا ہے کبھی کبھی یہ دشمن ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے اندر ڈیرے جما لیتا ہے اور ہم مطمئن ہوتے ہیں کہ مطلع صاف ہے باہر سے کسی دشمن کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ مگر یہ اندر بیٹھا سبوتاژ کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے ہتھیار ہیں، کبر، حسد، بخل، ریاء، حُبّ جاہ، حُبّ زر وغیرہ۔ تو پیش نظر رکھو کہ میری یہ کنکریاں، ان مورچوں کو نشانہ بنا رہی ہیں جو اس نے میرے دل کے گوشے میں بنا رکھے تھے تب تم اس کے خارجی

حملوں کے ساتھ ساتھ اس کے داخلی حملوں سے بھی بچ سکو گے پھر تمہیں کوئی طاقت اللہ کی بات ماننے سے نہیں روک سکے گی۔

اب تم پلٹ کر ذرا اس چوتھی تدبیر کے فوائد پر نگاہ کرو، تمہیں محسوس ہو گا کہ واقعی اس تدبیر سے تو انسان کی مکمل اوورہالنگ ہو جاتی ہے۔ صدیاں گزر گئیں۔ لوگ ہر سال یہاں آتے اور جاتے ہیں۔ کاش! اس احساس، اس شعور اور اس جذبے سے آنے کی توفیق میسّر آجائے۔

اس چوتھی تدبیر کے سلسلے میں تم نے وہ سب کام کر ڈالے جنہیں مناسکِ حج کہتے ہیں۔ تمہیں اپنا وطن یاد آرہا ہو گا۔ مگر اتنی جلدی کیا ہے کچھ روز اور یہاں رہ کے دیکھو۔ اس سرزمین کا چپہ چپہ اور اس خاک کا ذرّہ ذرّہ تمہارے لئے تاریخ کے اوراق کا کام دے گا ذرا پلٹ کے ان اوراق کا مطالعہ کرو۔

وہ دیکھو! سامنے ایک عمارت ہے۔ یہاں اب ایک شاندار لائبریری ہے اسے "مولد النبی ﷺ" کہتے ہیں۔ یعنی وہ جگہ جہاں وہ ہستی پیدا ہوئی جس نے بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلقات قائم کئے جس کے آنے سے پہلے بندے اپنے رب سے آشنا ہی نہیں تھے۔ اس لئے رب کا کہا ماننے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا۔ ہاں! وہ اپنے رب کے بغیر ہر کسی کا مانتے تھے۔ اس ہستی نے بندے کو رب سے آشنا کیا۔ رب سے احکام لئے بندوں تک پہنچائے مگر اس بات کی نوبت آنے سے پہلے محسنِ انسانیت ﷺ نے اس ماحول میں چالیس برس گزارے اور اپنے بیگانے سب اس بات کے معترف تھے کہ بچپن، لڑکپن اور جوانی یعنی عمر کا ہر حصّہ بے داغ بے مثل اور لاثانی ہے جب اس محسنِ انسانیت نے اپنا مشن شروع کیا تو اپنے بھی بیگانے

بن گئے اور بگلے نے خون کے پیاسے ہو گئے۔

بیت اللہ کے پاس دیکھو، اِس جگہ پر ظالموں نے اپنے محسن کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھ رکھ دی۔ ان گلیوں میں کانٹے بچھائے۔ اس کام میں پیش پیش اپنے رشتہ دار ہی تھے مگر انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ کل تک تو وہ اس کے مدّاح تھے۔ ہاں! صرف اِس لیئے کہ اس نے کہا تھا کہ تمھارا ربّ جو کہے وہی کرو، اُسی کا کہا مانو۔ بس یہ وہ جُرم تھا جس کی پاداش میں اسے یہ ظلم سہنا پڑے۔ مگر کیا وہ اِن مظالم سے تنگ آکر اپنے مشن کو چھوڑ بیٹھا؟ نہیں! وہ تو چھوڑ بیٹھنے کے لیئے آیا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی کہتا رہا اور ان کی سُنتا رہا۔

وہ سامنے دیکھو! ایک گھاٹی ہے بورڈ پر لکھا ہے "شعبِ ابی طالب" ذرا یہاں رُک کر اس کی تاریخ کا مطالعہ کرو۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ظالموں نے اپنے محسن اور اُس کے شیدائیوں کو تین سال بند رکھا۔ مکمل طور پر بائیکاٹ کیا، کھانے پینے کی اشیاء تک وہاں نہ پہنچنے دیں کیوں؟ شاید تنگ آکر یہ کہہ دے کہ چلو! ربّ کی نہیں مانتے تو نہ مانو جو جی میں آئے کرو۔ مگر وہ تو آیا ہی اِس لیئے تھا کہ یہ سبق پڑھانا ہے یاد کرانا ہے اور اس راستے پر ہر تکلیف کو برداشت کرنا ہے۔ یہ جگہ دیکھو! یہاں قوم کے بڑوں نے مشورہ کیا کہ اسے لالچ دو، شاید یہ باز آجائے۔ انھوں نے تین باتیں پیش کیں:

۱۔ حکومت چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں،

۲۔ دولت چاہتے ہو تو تمھارے سامنے دولت کا ڈھیر لگا دیں،

۳۔ عورت چاہتے ہو تو ملک کی حسین ترین عورت پیش کرتے ہیں۔

بس یہ کہنے سے باز آجاؤ کہ "ایک ربّ کا کہا مانو!" اس محسنِ انسانیتؐ

نے کیا جواب دیا؟ تم سوچو کہ اگر تمھارے سامنے یہ مطالبہ رکھا جائے تو تم کیا کرتے۔ مگر کہاں تم اور کہاں وہ۔ جس جیسا نہ کوئی ہوا نہ ہوگا۔ تو اس نے جواب دیا کہ:

"اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھ دو اور بائیں پر چاند رکھ دو پھر بھی میں یہ کہنا نہیں چھوڑوں گا کہ لا الٰہ الا اللہ۔ بات مانوں گا تو بس اپنے رب کی"

یہی وہ جگہ ہے جہاں اس کے جاں نثار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔ جہاں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جی بھر کے پیٹا گیا۔ یہاں جناب بن ارت رضی اللہ عنہ کو سولی دی گئی۔ یہاں آل یاسر رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دی گئیں ان گلیوں میں عاشقِ رسول ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا گیا اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا گیا۔ گرم ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیئے گئے۔ بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ ان پہاڑیوں پر اسے گھسیٹتے رہتے تھے۔ یہاں افلح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں رسی باندھ کر اس پتھریلی زمین پر گھسیٹا گیا۔ زہرہ۔ نہدیہ اور اُم عبیس رضی اللہ عنہما کو وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ یہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینکا گیا تھا۔

یہ گلیاں، یہ راستے، یہ پہاڑ، یہ سنگلاخ زمین اور اس کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ اُس محسنِ انسانیت ﷺ کے شیدائیوں کو صرف لا الٰہ الا اللہ سے باز رکھنے کے لئے سارے جتن کئے گئے مگر ان اللہ کے بندوں نے ہر تکلیف برداشت کی مگر یہی کہتے رہے کہ ہم وہی کریں گے جو ہمارا رب کہے

گا کیونکہ ہماری پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے لا الٰہ اِلّا اللّٰہ ۔

لو! اب ذرا آبادی سے باہر نکلو، دیکھو! وہ سامنے جبلِ نور ہے اس کی چوٹی پر ایک غار ہے اسے غارِ حرا کہتے ہیں ۔ جانتے ہو اس پہاڑ میں اور اس غار میں کشش کیوں محسوس ہوتی ہے ؟ ماضی میں ذرا جھانکو تو تمھیں نظر آئے گا کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ دکھانے والا، سوئی ہوئی مخلوق کو جگانے والا ۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا ۔ مُردوں کا مسیحا، محسنِ انسانیت ﷺ مسلسل کئی کئی راتیں اسی غار میں تن تنہا گزارتا تھا ۔ اپنے خالق سے لو لگائے بیٹھا رہتا دن گزر جاتے ۔ راتیں بیت جاتیں ۔ جب ہفتہ عشرہ کے لئے گھر سے لایا ہوا سامانِ خورد و نوش ختم ہوتا تو ان بلندیوں سے اُتر کر آبادی میں آتا ۔ پھر اسی قدر سامان لے کر ان نوکیلے پتھروں کو چیرتا ہوا پہاڑ کی بلندی پر پہنچ کر اسی غار میں گہری سوچ اور طویل فکر کی دُنیا میں محو ہو جاتا ۔ وہ اپنے بھائیوں کی بے لبری اپنی قوم کی گمراہی اور انسان نما درندوں کے شب و روز دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا تھا کہ اشرف المخلوقات اور اس کی یہ کیفیات اتنی اعلیٰ تخلیق اور ایسی پستی ۔ آخر رحمتِ باری جوش میں آئی اور ایک روز جب وہ اپنے خیالات کی دنیا میں محو بیٹھا تھا ۔ خالق کا بھیجا ہوا آ پہنچا اور مژدہ سُنایا ،

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔

یعنی خالق نے اپنی ربوبیت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنا نمائندہ چُن لیا جسے یہ دکھانا تھا کہ اس جسمِ انسانی کے اندر جو اصل انسان ہے اس کی پرورش کرنا بھی ربّ العالمین نے اپنے ذمّہ لیا ہے اس نے جہاں یہ فرمایا کہ :

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا

مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۔

وہاں اپنے اسی وعدہ کو فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ پورا کرتے ہوتے یہ آسان راہ بتا دی کہ تمھارے اصل انسان کی تربیت کا آسان ترین طریقہ یہ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔

اب ذرا یہاں رُک کر سوچو، تم نے اپنے خالق کی اس نعمت کی قدر کہاں تک کی۔ کیا اس کے پیغام کو پڑھا، سمجھا، مانا، جانا۔ اپنایا یا اُسے بھلایا، ٹھکرایا اور اس کا مضحکہ اڑایا۔ تمھارا ماضی تمھارے حافظے میں ہے اور اس کا فیصلہ کرنا تمھارے ہاتھ میں ہے ؎

یہ ہیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی

لو! اب ذرا شہر سے جبلِ نور کی مخالف سمت چلو، کوئی تین میل آگے تمھارے سامنے ایک اور پہاڑی ہے، دشوار گزار پہاڑی۔ اس کی چوٹی پر پہنچو، دیکھو! یہ ایک غار ہے اِسے غارِ ثور کہتے ہیں۔

جانتے ہو اِس کی حقیقت کیا ہے؟

ہاں! سُنو، جب اس شہر والوں نے سارے جتن کر لئے کہ یہ اللہ کا بندہ جو مخلوق کو اللہ کا بندہ بننے کا گُر سکھانے آیا ہے نہ اپنی بات سے ٹلتا ہے، نہ اپنے ربّ کا کہا ماننے سے باز آتا ہے۔ تو اپنی خُفیہ محفلوں میں اپنے دارالندوہ میں یہ طے کر لیا کہ اس کا مقدس وجود ہماری راہ کا اصل روڑہ ہے۔ اس لئے اس کو ہی راہ سے ہٹاؤ۔ جوانانِ قوم نے، ہر قبیلے کے چُنے ہوئے آدمیوں نے رات کی تاریکی میں محسنِ انسانیت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جب وہ

اپنی کارروائی مکمل کر چکے تو خالق نے حکم دیا کہ اے میرے محبوب بندے! اُٹھ گھر سے نکل اور ثانی اثنین کے گھر جا، اسے ساتھ لے اور یہاں سے رختِ سفر باندھ، اس زمین میں جو کام کے آدمی تھے۔ وہ ہم نے تیرے گرد جمع کر دیئے۔ اب اس بنجر زمین سے نکل کر ایسی جگہ چل، جہاں تجھے کام کرنے کا موقع ملے۔

چنانچہ چشمِ فلک نے دیکھا کہ ساری مخلوق کے خیر خواہ، اہلِ وطن سے مایوس ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ خالق نے جسے رفیقِ سفر بنایا۔ اس نے گھر میں جمع تمام نقدی ساتھ لی، سامانِ خورد و نوش ساتھ لیا اور دونوں چل پڑے رات کی تاریکی میں ان نوکیلے پتھروں پر چلتے ہوئے اس بلندی پر پہنچے اور اس غار میں ڈیرے ڈال دیئے۔ دشمن بھی تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ مگر غار کے منہ پر پہنچ کر اتنا نہ کر سکا کہ غار کے اندر جھانک کر دیکھ لے۔ کیوں؟ کیا وہ دشمن نادان تھے؟ احمق تھے؟ نہیں! بات اور ہے۔ خالقِ کائنات نے دکھا دیا کہ اگر میرا محبوب ایسے حالات میں وطن کو چھوڑ جاتا جب اس کے لئے ایسا کرنا آسان ہوتا، تو خالق کی قدرت کا اظہار کیسے ہوتا۔ یہ بتانا کہ اس کا محافظ میں ہوں۔ یہ دکھانا تھا کہ جب تم پوری طرح مطمئن ہو جاؤ گے کہ اب ہمیں اس پر قابو پانے کی پوری قدرت ہے۔ میں اس وقت اسے یوں بچا کے نکال لوں گا کہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی تم اندھے ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں نظر نہیں آئے گا۔ کان رکھتے ہوئے بھی تم بہرے ہو جاؤ گے کہ تمہیں اس کی آہٹ نہ سنائی دے گی اور عقل و تدبیر پہ ناز کرتے ہوئے بھی ایسی مت ماری جائے گی کہ غار پر پہنچ کر اندر جھانک کر نہ دیکھ سکو گے۔

یہ غار قدرتِ قادر کا مظہر ہے، دعوتِ جہاد ہے، خالق کا کہا ماننے کے

لئے جدوجہد، جفاکشی اور حُسنِ تدبیر کا سبق ہے۔ یہ ایک ایسا اعلان ہے جس کی صدا صدیاں گزرنے کے باوجود اب تک گونج رہی ہے کہ اب اگر تمھارے سامنے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تمھیں دو راستوں میں ایک راستہ لازماً اختیار کرنا پڑے یعنی یا تو اپنے ربّ کی بات ماننا چھوڑ دو یا عزیز و اقارب چھوڑ دو۔ اپنا وطن چھوڑ دو۔ تو تمھیں اپنا وطن چھوڑنا گوارا ہو، مگر کسی قیمت پر اپنے رب سے رشتہ نہ توڑو۔ یہاں ذرا رُک جاؤ اور یہ سبق اور اس کی رُوح کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش کرو۔

تم نے یہ شہر بھی دیکھا جہاں سے یہ چشمۂ ہدایت پھوٹا تھا۔ اور وہ مقامات بھی دیکھے جو اِن راہ نوردانِ عشق کی جفاکیشی، بے بسی اور مظلومیت کی داستان زبانِ حال سے سُنا رہے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیا کہ جو قدم راہِ حق میں اُٹھتے ہیں دُنیا کی کوئی طاقت، کوئی کشش، کوئی لالچ اور کوئی مفاد ان کے لئے زنجیرِ پا نہیں بن سکتی۔ لو! اب تم ان عشق کے بادیہ پیماؤں کے ساتھ ذہنی طور پر ہجرت کر کے بھی دیکھو۔ تمھارے جسم بظاہر آرام دہ سواریوں میں بیٹھے پکی سڑکوں پر دیارِ حبیب ﷺ کی طرف جا رہے ہوں۔ مگر تمھارے قلب اور تمھارے ذہن تاریخ کے ساتھ ساتھ ہجرت کی کٹھن منزلیں طے کر رہے ہوں۔

لو! دیارِ حبیب ﷺ قریب آگیا۔ تمھارا قافلہ رُکا۔ یہ پڑاؤ بدر کہلاتا ہے۔ سڑک سے بائیں طرف ہٹ کر ذرا اس میدان پر نگاہ کرو۔ جہاں حق و باطل کا پہلا منظم و مسلح تصادم ہوا تھا۔ ذرا اس مسافت کا تناسب دیکھو جو بدر اور مکہ اور بدر اور مدینہ کے درمیان ہے۔ باطل کی ضد دیکھو اور حق کی استقامت دیکھو مکہ والوں کو غصہ تھا کہ شکار ہاتھ سے کیوں جاتا رہا۔ چلو اُس کی پناہ گاہ پر

حملہ کرو اور اِدھر مدینہ میں نووارد اور غریب الدیار مہاجرین کو حکم ہوتا ہے جنگ کے لئے نکلو، کس کے ساتھ؟ ان کے ساتھ جنہوں نے اپنے گھر میں تمہارا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ جو پوری تیاری کر کے ایک ہزار کی مسلح جمعیت لے کر تمہارے سنتے گھر پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ مگر ان بے در بے گھر بے زر عشاقِ حق نے یہ بھی نہ سوچا کہ اسلحہ نہیں، سواری نہیں، سامانِ رسد نہیں، کچھ بھی نہیں، پھر بھی نکل کھڑے ہوئے کیونکہ انھیں حکم ملا تھا۔

کس کا؟

جس نے تیرہ برس یہ سبق پختہ کرانے میں صرف کئے تھے کہ اپنے رب کا حکم مانو۔ یہی وہ قافلہ تھا جس نے اس سبق کو ایسا یاد کیا تھا کہ دنیا و مافیہا کو بھول گئے مگر یہ سبق نہ بھلایا۔ یہ وہ قافلہ تھا جسے مکہ میں حکم ملا۔ خاموش رہو تو خاموش رہے۔ پھر حکم ملا، برملا کہو تو برملا کہا۔ پٹے، لٹے، تختہ دار پر کھینچے گئے۔ مگر برملا کہتے رہے۔ پھر حکم ملا، وطن چھوڑ جاؤ! چھوڑ دیا۔ یہاں ابھی ستانے ہی بیٹھے تھے کہ حکم ملا جنگ کے لئے نکل کھڑے ہو تو بے چوں و چرا نکل کھڑے ہوئے۔ گویا کیوں اور کیسے کے الفاظ ان کی لغت میں سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ یہی راز ہے ہادیٔ برحق ﷺ کے فرمان کا 'بدری کی رائے سب پر فائق ہوگی۔' کیونکہ اس کی حقیقت شناس نگاہ دیکھ چکی تھی۔ اہلِ بدر کی رائے اپنی رائے نہیں، ان کا ارادہ اپنا ارادہ نہیں ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ہاں! تو اس تصادم کا، اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟ ۳۱۳ نہتوں نے

ایک ہزار مسلح اور پوری طرح تیار، آزمودہ کار جنگجو جوانوں کا مُنہ پھیر دیا۔ مگر نہیں! انھوں نے کب پھیرا۔ پھیرنے والا تو وہی تھا جس نے کہا کہ :

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

مگر کیوں ؟ اِس لئے کہ وہ کوئی غیر نہ تھے اس کے اپنے تھے۔ اُنھوں نے اپنا وجود درمیان سے غائب کر دیا تھا۔ انھوں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر آج یہ شکست کھا گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔

ع ہم تو لڑتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے

اس نے ثابت کر دکھایا کہ میری بات مان کے چلو گے تو میں خود تمھاری حفاظت کروں گا، تمھاری مدد کروں گا ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ذرا قریب سے محاذِ جنگ کا نظارہ کرو، دیکھو! ایک وسیع چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ یہ اصل تصادم کی جگہ ہے۔ یہاں وہ چودہ نامورانِ اِسلام محوِ استراحت ہیں جنھوں نے شجرِ اسلام کی آبیاری کے لئے اپنا خون یہاں پیش کیا تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر دیکھو! چٹان کے قریب وہ جگہ ہے جسے قلیبِ بدر کہتے ہیں۔ یہاں ایک کنوئیں میں قریش کے ستر فرعونوں کی لاشیں پھینکی گئیں۔ یعنی سارا قافلہ ابوجہل کی قیادت میں دوزخ کی طرف سرگرمِ سفر ہے :

"يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ"

اِسی کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو کر محسنِ انسانیت ﷺ نے ان کفار کا نام لے کر پوچھا تھا کہ سناؤ! کیا تم نے اللہ کا وعدہ سچا پایا؟ کیا اب تمھیں

یقین آگیا کہ اگر اللہ و رسول ﷺ کی بات مان کر دُنیا میں چند روزہ زندگی بسر کرتے تو آج اس مصیبت سے دوچار نہ ہوتے۔ شہداء کے مقتل اور کفار کے مدفن ایک دُوسرے کے پاس پاس اس تقابل کا مظہر ہے کہ جہاں تک مرنے کا تعلق ہے دونوں فریق موت سے دوچار ہوئے مگر اس لمحے کے بعد جو ابدی زندگی سامنے آئی اس کی کیفیات جُدا ہیں۔ ایک فریق نے اپنے ربّ کا کہا مانا اور جان دے دی۔ انھیں مژدہ سُنایا گیا کہ:

"اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔"

دوسرے گروہ کے متعلق بتایا گیا کہ:

"وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔"

یوں لگتا ہے جیسے یہ مقام اور یہ میدان، زائرِ مدینہ کے راستے میں ایک پڑاؤ ہی نہیں بلکہ ایک اعلان ہے۔ ایک درسِ محبت ہے۔ ایک ادب آموز ہے کہ جہاں جا رہے ہو وہاں کے آداب سیکھتے جاؤ کہ وہاں جا کر یہ عہد کرنا ہو گا کہ اے محسنِ انسانیت! آج میں تیرے حضور آکر عہد کرتا ہوں کہ جس خالقِ کل نے مجھے یہ چند روزہ زندگی یا مُہلت عطا کی ہے اور جس نے مجھے تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں بخشی ہیں۔ میں اس مہلت کے عرصے میں اُسی کا کہا مانوں گا۔ اُسی کی ہدایات پر چلوں گا اُسی سے لَو لگاؤں گا۔ کیونکہ ؎

جو اُن کی محبت میں فانی نہیں ہے
میسّر اُسے زندگانی نہیں ہے

اس کی محبت کے بغیر جینا تو جانوروں کی طرح جینا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔
اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ۔

لو! اب اپنی منزل کی طرف چلو، کوئی ڈیڑھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد تم ایک آبادی میں پہنچ گئے۔ یہ شہر مدینہ کہلاتا ہے۔ اس شہر کے ساتھ بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ اپنے ربّ کی بات ماننے والوں کو مکہ میں ستایا گیا۔ ان کا وہاں جینا دوبھر ہو گیا۔ تو اس شہر مدینہ نے ان غریب الدیار مہاجروں کو اوّل پناہ دی پھر انھیں بسایا۔ پھر ان حکمرانوں کے لیے دارالحکومت کا کام دیا۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی سن لو! آخر آئے جو ہو، تمھاری کچھ ذہنی، علمی، قلبی اور روحانی مہمانی بھی ہو جائے۔ لو سُنو!

اپنے ربّ کے باغیوں کے ستائے ہوئے اللہ کے بندے یہاں پہنچے، آنے والے مہاجر تھے۔ یہاں ان کی آؤ بھگت کرنے والے انصار کہلائے دونوں فریقوں کے درمیان ایک رشتہ تھا۔ خونی رشتوں سے زیادہ مضبوط وہ رشتہ یہ تھا کہ آنے والوں نے سب کچھ چھوڑ دیا مگر ربّ کا کہا ماننا نہ چھوڑا۔ اور استقبال کرنے والوں نے عہد کیا کہ سب کچھ چھوڑ دیں گے مگر رب کا کہا نہ چھوڑیں گے۔ بس اس رشتے نے ان کی دوئی، غیریت، اجنبیت ختم کر دی۔ وہ ایک ہو گئے اور اپنے رب کا کہا ماننے کا سلیقہ سکھانے والے نے ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ ایک ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اور سچ مچ کے بھائیوں سے بھی زیادہ بھائی۔ کیونکہ نسبی بھائی تو برادرانِ یوسف بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ آج بھی ؎

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

مگر ان بھائیوں نے ثابت کر دیا کہ ایمان کا رشتہ خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ کاش! یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں بھی آجاتی جو آج بڑے ناز سے کہتے ہیں "ہم مسلمان ہیں"۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

لو! اب ذرا صاف ستھرا لباس پہنو اور محسنِ انسانیت ﷺ کے حضور سلام پیش کرنے کے لئے اس مسجد کی مشرقی جانب روضۂ اطہر کے سامنے چلو! یہ مواجہ شریف ہے یہاں کھڑے ہو کے کہو:

"اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ"

پھر کہو: "خالق نے فرمایا ہے 'وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ وَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'۔ تو میں اپنی جان پر ظلم کرتا رہا۔ اب مجرم کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں میرے لئے دعا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف کرے"۔

پھر ساتھ ہی مشرق کی طرف مواجہ ہے۔ یہاں جانثارِ رسول ﷺ یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرو۔ اور کہو کہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں جو جان کھپائی، اللہ ہم سب کی طرف سے آپ کو جزائے خیر دے۔ پھر آگے بڑھو! یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی خدمت میں سلام عرض کرو۔ یہ دونوں نبوت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اس لئے دنیا میں، برزخ میں، حشر میں کسی جگہ بھی اپنے آقا سے جدا نہیں ہونگے۔ ملاقات اور سلام سے فارغ ہو کر اس ارضی جنت میں اپنے خالق کے حضور سجدۂ شکر

ادا کرو۔ پھر اس شہر کی گلیوں میں گھوم کے دیکھو۔ ایک عجیب کشش محسوس ہوتی ہے یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہاں کسی کے گلے میں رسّی ڈال کر گھسیٹا گیا۔ یہاں کسی پر پتھر برسائے گئے۔ یہاں کسی کو دار پر کھینچا گیا۔ یہاں کسی کو زخمی کیا گیا۔ بلکہ یہاں تو شفقت، محبت اور ایثار کے جذبات اُبھرتے محسوس ہوتے ہیں اور اس مسجد میں جا کے بیٹھو، جسے مسجد نبوی کہتے ہیں تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے بچہ ماں کی گود میں بیٹھ کر سکون اور محبت کی گرمی محسوس کرتا ہے۔ یہی وہ مسجد ہے، جس نے یونیورسٹی کا کام دیا۔ جو اقامتی درسگاہ بنی جس نے ہائی کورٹ کے فرائض انجام دیئے جس نے جی۔ ایچ۔ کیو کی ڈیوٹی ادا کی۔

آج لوگ کہتے ہیں مسجدیں ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں حالانکہ بات اس کے برعکس ہے جیسا کہ اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ؎

ترقی خواہ ہے تو صحنِ مسجد چھوڑ اے اکبر
کہا میں نے ترقی ہے تو خود پہنچے گی مسجد تک

یعنی مسلمان کی ترقی کی معراج ہی یہ ہے کہ پورے شعور اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مسجد تک پہنچے۔

آج لوگ کہتے ہیں مذہب و سیاست الگ الگ محکمے ہیں، اہلِ مذہب کا سیاست سے کیا تعلق؟ اس مسجد کا وجود ان مسلمان نما گوروں کے منہ پر ایک زبردست چپت ہے۔ بیعتِ مواخات کہاں ہوئی؟ میثاقِ مدینہ کہاں ہوا؟ اس سے بڑھ کر کوئی سیاسی دستاویز دُنیا میں ملتی ہے؟ بدر، اُحد، خندق، تبوک کے لئے جنگ کی تیاری کہاں سے ہوئی؟ آرڈرز کہاں سے جاری ہوئے؟ نقشۂ جنگ کہاں تیار کیا گیا؟

دشمنانِ اسلام مستشرقین کے حاسدانہ حملوں کو یہ دیسی جعلی انگریز کس فخر سے دُہراتے ہیں ؛ بیچارے کیا کریں ؟ اسلاف سے رشتہ ٹوٹا۔ ماضی سے تعلق جاتا رہا ؎

بچے میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دُودھ ہے ڈبّے کا اور تعلیم ہے سرکار کی

اس مسجد کا مقام اچھی طرح سمجھ لو! اِسی مسجد میں یہ سبق پختہ کرایا گیا کہ خالق کی زمین پر بستے ہوئے خالق کی ہدایات پیشِ نظر رکھنا اصل انسانیت ہے۔ اِسی مسجد میں سکھایا گیا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہوتے ہیں ؟ اور کیونکر ادا کئے جاتے ہیں ؟ اِسی مسجد میں تعلیم دی گئی کہ سپاہی کی ڈیوٹی کیا ہے اور جرنیل کے اوصاف کیا ہوتے ہیں ؟ اِسی مسجد میں تربیت کی گئی کہ پرسکون گھریلو اور معاشرتی زندگی کیسے ہوتی ہے ؟ اِسی مسجد میں سکھایا گیا کہ مدعی کو کن آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔ مدعا علیہ کو کس دیانت داری سے کام لینا ہے گواہ کو کیسے شہادت دینی ہے اور مجسٹریٹ کو کیونکر فیصلہ کرنا ہے ؟

پھر بھی کوئی کہے کہ مُلّا کو سیاست سے کیا واسطہ، تو اس کہنے والے کا صحیح مقام دماغی ہسپتال ہے اور کسی قوم کی بدبختی کی انتہا اُس وقت ہوتی ہے جب ایسے دماغی مریضوں کو قوم کی رہنمائی، پیشوائی اور اقتدار کا منصب سونپ دیا گیا ہو۔ اہلِ مغرب جن کی ہر برائی اور بدتمیزی کی نقالی کرنا یہ بے حمیت مخلوق جدّت پسندی سمجھتی ہے اور اِن کی کوئی خوبی اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتی وہ اہلِ مغرب کس وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ اس مسجد سے انسان سازی کا جو چشمہ پھوٹا اُس نے کن اوصاف کے انسان تیار کئے۔

His message raised the moral and cultu-
ral level of his followers, promoted social
order and unity, inculcated hygien, lessoned
superstition and cruelty, bettered the condition
of slaves, lifted the bowly to dignity and pride,
and produced among muslims a degree of
sobriety and Temperance unequalled else
where in the white man's world.

(story of civilisation - Will Durant)

اب ذرا اس شہر کے ماحول کو دیکھو! یوں تو اس زمین کا چپہ چپہ تاریخ کا ایک باب ہے مگر کچھ مقامات اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔

یہ مسجدِ قبا ہے اس سرزمین میں پہلی مسجد بنی۔ یعنی محسنِ انسانیت ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ مسلمان جہاں جا کر بسے۔ سب سے پہلے وہ عمارت بنائے جس میں اپنے خالق کے دربار میں حاضری دے سکے، اس سے راز کی باتیں کر سکے تاکہ اسے اپنے خالق کی بات مان کر زندگی گزارنے کا اہم فریضہ یاد رہے یہ ہر روز پانچ مرتبہ کی حاضری لازماً اسے یاددہانی کراتی رہے گی کہ اسے اپنے خالق کی زمین پر اپنے خالق کی دی ہوئی صلاحیتوں کو کس طریقہ سے استعمال کرنا ہے؟

شہر سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلے پر اُحد کا پہاڑ ہے۔ ذرا یہاں رُک کے وہ خونچکاں داستاں بھی پڑھ لو جو یہاں خونِ شہداء سے لکھی گئی۔

اب تم محسوس کروگے کہ باطل کتنا کینہ پرور ہوتا ہے۔ جو لوگ گھر بار چھوڑ کے آگئے ان کا یہاں بھی آرام سے بیٹھنا باطل کو گوارا نہ ہوا۔ اور کوئی تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے ان کے گھر آکر چڑھائی کر دی۔ مگر اس کے ساتھ ہی تمھیں معلوم ہوگا کتنے ایثار پیشہ تھے۔ یہ لوگ قلت و کثرت کے فلسفے سے بے نیاز ہو کر میدان میں آگئے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ کبھی ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے۔ چنانچہ اس درّے پر چڑھ کے میدان کا نظارہ کرو۔ یہاں تمھیں معلوم ہوگا کہ سالارِ لشکر نے مسجد میں بیٹھ کر ڈسپلن کا جو سبق سکھایا تھا اس کے سلسلے میں یہاں چوک ہو گئی۔

حکم ملا تھا کہ یہ پچاس آدمی یہ درّہ کسی حال میں نہ چھوڑیں۔ خواہ ہم میدان مار لیں یا خود مر جائیں۔ مگر ان میں سے کچھ لوگوں نے اجتہادی غلطی کا شکار ہو کر اور وہ بھی کسی غلط نظریے کے تحت نہیں بلکہ پوری نیک نیتی سے صحیح سمجھتے ہوئے ٹھوکر کھائی۔ جبھی تو خالق نے اعلان کر دیا:

"وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ"

بہرحال یہاں یہ سبق ملتا ہے کہ خالق کے نمائندہ محسنِ انسانیت ﷺ کا حکم اس طرح ماننا ضروری ہے کہ اس کے خلاف دل میں بھی کوئی تردّد اور شک کا گزر نہ ہونے پائے۔ ظاہر ہے کہ جب زندگی کا مقصد ہی بات ماننا ہے تو اپنے مقصد سے غافل ہو جانا کمال کے منافی کیوں نہ ہو۔

پانچویں تدبیر

معاشرے میں رہ کر انسان کئی قسم کی مصروفیات میں گھرا ہوتا ہے۔ گوناگوں مشاغل ہوتے ہیں۔ انسان کبھی کبھی ان مشاغل میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ ضروری بلکہ اشد ضروری کام بھی بھول جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا، کہ آدمی شطرنج کھیل رہا ہے۔ اس میں ایسا محو ہوتا ہے کہ ضروری کاموں کا خیال تک نہیں آتا بلکہ بڑے بڑے نقصان ہو جاتے ہیں مگر وہ اسے چھوڑنے کا نام نہیں لیتا اسی طرح یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مشاغل میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کو اپنے خالق کی بات ماننا تو کیا یہ بھی یاد نہیں آتا کہ میرا خالق بھی کوئی ہے اور میری پیدائش کا کوئی مقصد بھی ہے۔ اس لئے ادنیٰ مشاغل میں محو ہو کر اپنے مقصد سے غافل ہو جانا بھی عام بیماری ہے۔

اس غفلت کو دور کرنے کی تدبیر ہے جو خود خالق نے بتائی ہے اور صدیوں کی مجرب ہے اور وہ ہے علاج بالضد کی قسم کی چیز۔ یعنی غفلت دُور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ذکر۔ اس لئے تم ذکر کرو، کثرت سے ذکر کرو۔ ہر وقت ذکر کرو اور ہر حال میں اس کی یاد دل سے نکلنے نہ پائے بس کثرت سے ذکر کروگے، تو اِدھر کی کشش پیدا ہوگی۔ جب یہ کشش بڑھے گی تو محبّت ہو جائے گی اور محبت کا یہ اثر ہے کہ آدمی کے لئے محبوب کی بات ماننا صرف آسان ہی معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ حکم بلے تعمیل کروں اور محبوب خوش ہو۔ گویا خالق کا ذکر دوا ہے اور غذا بھی ہے اسی سے روحانی صحت حاصل ہوتی ہے اور اسی

سے رُوح کو تقویت ملتی ہے اور اسی سے رُوحانی ترقی بھی ہوتی ہے، حتّٰے کہ محبوب کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

اس تدبیر کو سہل بنانے کے لئے خالق نے بڑی ذرّہ نوازی سے کام لیا ہے کبھی تو یہ فرمایا کہ "میرے بندو! تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔" ذرا سوچو تو سہی! جس کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ فلاں کام کرنے سے میرا خالق جو خالق کائنات ہے مجھے یاد کرے گا بھلا وہ شخص اس کام کو چھوڑنا پسند کرے گا؟

کبھی کہا، "اپنے ربّ کا نام یاد کیا کرو۔"

اسم اور مسمی میں جو تعلق ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، نفسیات والے کہتے ہیں کہ عدم تکرار فراموشی کا سبب ہے۔ اس لئے خالق نے اپنے بندے کی نفسیات کے مطابق حکم دیا کہ میرے نام کی تکرار کیا کرو۔ اور اس کا سلیقہ بتایا کہ تبتل کا خیال رکھنا تبتل یہ ہے کہ آدمی وہ تمام احتیاطیں کرلے کہ توجہ مقصود سے ہٹنے نہ پائے دل بٹنے نہ پائے۔ خیال آوارہ نہ ہونے پائے اور پوری یکسوئی حاصل ہو جائے۔ زبان اور دل کا گہرا تعلق ہے۔ زبان سے تکرار کے ساتھ اِسم کا ذکر ہوگا تو دل لازماً اِس سے موافقت کرنا سیکھ جائے گا۔ جب دل میں مسمی کا خیال آئے گا تو رفتہ رفتہ دل میں گھر کرلے گا۔

کبھی یہ کہا کہ اپنے ربّ کو اپنے دل میں یاد کیا کرو اور کبھی غفلت کا شکار نہ ہونا غفلت سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ یاد کو سانس کے ساتھ وابستہ کرو۔ سانس چلنے کا سلسلہ تو کبھی معطل نہیں ہوگا۔ اس لئے ذکر کبھی موقوف نہ ہو سکے گا غفلت کبھی قریب نہ پھٹکے گی۔

کبھی اس خطرے سے آگاہ کیا کہ احتیاط کرنا کہ ماں کی محبت یا اولاد کی

محبت تمہیں اللہ کی یاد سے روکنے نہ پائے۔ خطرات سے آگاہ کرنا اور دشمن کے حملوں کے مقامات کی خبر دینا اُس کی کریمی ہے اس کا احسان ہے۔ اُس کی رحمت ہے۔

کبھی یہ ہدایت کی کہ تم لیٹے ہو، بیٹھے ہو یا کھڑے ہو۔ ہر حال میں مجھے یاد کیا کرو۔ یعنی ہر کام میں چھٹی بھی ہوتی ہے تفریح بھی ہوتی ہے، ستانے کا وقت بھی ملتا ہے۔ مگر ذکرِ الٰہی ایسا کام ہے کہ اس میں نہ سستانا ہے نہ چھٹی ہے نہ تفریح۔ اس لئے ہر حالت میں یاد کیا کرو تاکہ تم غفلت کا شکار نہ ہو جاؤ۔

کبھی یہ فرمایا کہ کان کھول کے سُن لو! دل کو اطمینان صرف ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ دیکھو! انسان اطمینانِ قلب کے لئے کیسے کیسے جتن کرتا ہے۔ کبھی یہ سمجھتا ہے کہ دولت جمع ہو جائے تو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے بس دن رات دولت جمع کرنے میں لگا رہتا ہے۔ مگر انسان نے دیکھ لیا کہ دولت سے اطمینان نہیں ملتا۔ کبھی اقتدار میں سکونِ دل کی تلاش کرتا ہے۔ اس کے لئے ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرتا ہے مگر انسان نے تجربہ سے دیکھ لیا کہ یہ غلط ہے اور اعلان کر دیا کہ، "Uneasy lies the head that wears crown." جب انسان کو اطمینانِ قلب کی اتنی شدید ضرورت ہے تو خالق نے کتنا آسان نسخہ بتا دیا کہ میرے بندو! تمہاری شدید ترین ضرورت کے لئے تمہیں آسان ترین عمل بتاتا ہوں۔ بس ہر حال میں مجھے یاد کیا کرو۔ خواہ زبان سے ہو خواہ خیال سے ہو۔ خواہ قلب سے ہو۔

کبھی غفلت کے نقصان بتلاتے۔ کہ یادِ الٰہی سے غفلت برتو گے تو تمہارے ازلی دشمن شیطان کو تم پر مسلط کر دیا جائے گا۔ پھر تمہاری ذہنیت اس قدر بدل

جائے گی کہ تم اِس دشمن کو دوست سمجھنے لگوگے۔ پھر وہ تمہارا دوست نما دشمن تمہیں اپنے خالق کی بات ماننے سے روکے گا۔ حتیٰ کہ تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ گے اور تمہاری عقل ایسی اُلٹی ہو جائے گی کہ تم گمراہی کو ہدایت سمجھنے لگوگے اور تمہیں اپنے متعلق گمان ہونے لگے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں۔

کبھی احتیاطی تدابیر بتائیں کہ جو شخص میری یاد چھوڑ بیٹھا ہو اس کے پاس بھی نہ بیٹھو۔

کبھی فرمایا، جس کا دِل میری یاد سے غافل ہو اس کا کہا نہ ماننا کیونکہ وہ تو حرص و ہوا کا بندہ ہے۔ خواہش کا غلام ہے۔ جانوروں کی طرح جہاں ہری ہری گھاس نظر آئی بس چرنے لگا۔

کبھی یہ تنبیہہ کی کہ خیال رکھنا کہیں مال و دولت کی محبت، اولاد کی محبت تمہیں میری یاد سے غافل نہ کرنے پائے۔

دیکھو! حکیم مطلق نے ان تدابیر میں ایک عجیب حکمت رکھی ہے جس تدبیر میں مشقت زیادہ ہے اس کے لئے وقت تھوڑا مقرر کیا۔ جس میں مشقت کم ہے اس کے لئے وقت زیادہ مقرر فرمایا۔ اور یادِ الٰہی میں تو سرے سے مشقت ہے ہی نہیں اِس لئے اس کے لئے وقت کی قید ہی اڑا دی کہ ہر وقت یاد میں لگے رہو۔ کبھی اس کا نام وردِ زبان ہو کبھی خیال سے اس کی قدرت اور صناعی پر غور کرتے رہو۔ کبھی اس کے احسانات کو ذہن میں حاضر کر کے شکر کے جذبات کو اُبھارتے رہو کبھی اس کے انعامات پر غور کرتے رہو ان کے مقابلے میں اپنی کمزوریوں، غفلتوں اور نقائص کا جائزہ لیتے رہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل کا میلان اس کی طرف ہونا شروع ہو جائے گا

رفتہ رفتہ یہ میلان محبت کی شکل اختیار کرے گا۔ جب اس کی محبت دل میں جاگزیں ہو جائے گی تو پھر اس کی بات ماننا آسان ہو جائے گا نہیں! بلکہ اس کی بات ماننے میں لطف آئے گا۔ دل کو سکون ملے گا اور اس کی مخالفت کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو گی۔ اگر کہیں بھولے سے قصور ہو بھی جاتے تو آپ سے آپ ندامت کے جذبات ابھریں گے۔ پھر انسان اس کے سامنے گڑگڑائے گا غلطی کا اعتراف کرے گا۔ آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے گا اور یہ بھی اس کی یاد ہی کی ایک صورت ہو گی اور یہ محبت کے لوازمات میں سے ہے کہ انسان اپنے محبوب کو ناراض کرنا گوارا کبھی نہیں کرتا۔

دل جب خالق سے آشنا ہو جائے گا۔ خالق کی محبت اس کا سرمایہ بن جائے گا تو اپنی ساری مملکت میں خالق کا حکم رائج کر دے گا۔ دل پورے جسم کا حکمران ہے۔ ہادیٔ برحق ﷺ نے بتایا کہ اگر یہ حکمران سدھرے گا تو جسم سدھر جائے گا اور اگر یہ بگڑا تو سارا جسمانی نظام بگڑ جائے گا۔ اور دل کا سدھرنا دراصل خالق کی محبت سے لبریز ہونا ہے۔ سدھرا ہوا دل جب اعضاء و جوارح پر حکم چلائے گا تو ہاتھ اپنے خالق کی نافرمانی کی طرف نہیں بڑھ سکیں گے۔ پاؤں اسی رخ چلیں گے جو خالق کو پسند ہو گا۔ نگاہیں حق کی تلاش میں لگی رہیں گی۔ کان حق کی آواز سننے کے شائق ہوں گے۔ زبان حق گوئی میں لطف محسوس کرے گی۔ یعنی اعضاء و جوارح ذاکر ہو جائیں گے۔ انسان کی عملی زندگی کا ہر فعل اللہ کے ذکر کی صورت اختیار کر لے گا۔ دیکھنا! کہیں عقل یہ دھوکا نہ دینے لگے کہ حکمرانی تو میرا منصب ہے یہ غیار ہے سو جبیں بدل لیتی ہے لہٰذا اسے صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب کوئی عزیز مر جاتا ہے تو عقل کہتی ہے کہ یہ واپس

آسکتا ہے نہ اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے اگر کوئی تیری بات مانتا ہے تو رُلاتا کون ہے ؟ یہ جذبات ہی تو ہیں جو دل کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں۔

تو اے عیار! سُن لے تیرا کام صرف مشورہ دینا ہے فیصلہ دل کے ہاتھ میں ہے۔ لے سُن! تیرا ایک شیدا جسے عقل پر ناز ہے بے چارہ کہتا ہے کہ:

"انسانی عقل اس کے جذبات کے پیچھے یوں چلتی ہے جیسے کُتے کے پاؤں اس کی ناک کے پیچھے چلتے ہیں"

اور ایک اہلِ دل عقلمند کیا خوب کہہ گیا ہے ؎

جہانِ دل، جہانِ رنگ و بُو نیست	دل کا جہان رنگ و خوشبو کا جہان نہیں ہے۔
در و پست و بلند و کاخ و کُو نیست	اس میں بلندی ہستی محل اور گلیاں نہیں ہیں۔
زمین و آسمان و چار سُو نیست	اس میں زمین آسمان اور چار سمتیں نہیں ہیں۔
دریں عالم بجز اللہ ہُو نیست	اس میں سوائے اللہ ہو کے کچھ نہیں ہے۔

باب سوم

رکاوٹیں اور اُن کا علاج

دیکھو! ہر کام کے کرنے میں رکاوٹیں پیش آیا کرتی ہیں اور کسی اہم اور عظیم کام میں تو رکاوٹیں بھی بڑی اور زیادہ ہوتی ہیں. تم نے دیکھا ہوگا کوئی کام درپیش ہے مگر جی نہیں چاہتا. خواہش یہ ہوتی ہے کہ بس لیٹے ہی رہو. ظاہر ہے کہ جب تک اُٹھو گے نہیں، کام نہیں ہونے کا. تو اپنے خالق کی بات ماننے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی خواہش ہے اس کو الہامی زبان میں "ہویٰ" یا "ہوائے نفس" کہتے ہیں. خالق ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے جی اس کام کے کرنے کو نہیں چاہتا اور کبھی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے کیونکہ نفس انسانی عارضی لذتوں پر مرتا ہے اور کوئی کام بھی ہو محنت چاہتا ہے. پابندی اور محنت سے لذت زائل ہوتی معلوم ہوتی ہے یا لذت سے محرومی کا احساس ہوتا ہے. اس لئے خالق نے تاکید سے تلقین کی کہ وَلَا تَتَّبِعَ الْهَوٰى ورنہ فیضلك عن سبیل اللہ . یہ خواہش پرستی تمھیں اس راہ سے کہیں دور لے جائے گی جو ایک انسان کے لئے حقیقی راہ اور فلاح کی راہ ہے۔

اِس کے نقصانات کا ذِکر کرتے ہوئے بتایا کہ اگر تم نے خواہش ہی کو اپنا معبود بنا لیا تو تمھاری سوچ ہی اُلٹی ہو جائے گی۔ تمھارے کان کام کی بات سُننا پسند نہیں کریں گے۔ تمھارا دِل حق کو قبول کرنے کے لِئے تیار نہیں ہوگا۔ تمھاری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑ جائے گا کہ ساون کے اندھے کی طرح ہر چیز ہری نظر آئے گی۔ یہی اعضاء تو مصارفِ زندگی میں تمھارے ہتھیار تھے۔ یہی کُند ہو گئے۔ یہ بیکار ہو گئے۔ تو یہ جنگ کیونکر جیتی جائے گی؟

"اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ
وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً"

دیکھو! تم بیمار ہوتے ہو کسی مرغوب چیز کے کھانے کو جی چاہتا ہے ڈاکٹر منع کرتا ہے کہ کھاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ تم رُک جاتے ہو۔ اپنی خواہش کو دبا دیتے ہو۔ تمھیں ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اس کی پابندی قبول کر لیتے ہو۔ لہٰذا حکیمِ مطلق جو پابندی لگاتا ہے وہ ہمارے ہی فائدہ کے لِئے ہوتی ہے اِس پابندی کے خلاف کرنے اور ذرا سی لذّت کے لِئے اپنی خواہش کی پیروی کرنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

تم فوج میں ملازم ہو، تمھارا جی چاہتا ہے بن ٹھن کے رہوں عمدہ قسم کا جدید ترین فیشن کا لباس پہنوں مگر تمھیں خاص قسم کی یونیفارم پہننے کا حکم ہے۔ کپڑے کی کوالٹی، اس کا رنگ، اس کا ڈیزائن خواہ تمھاری پسند کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ تم وہی یونیفارم پہنتے ہو۔ اور اپنی خواہش پُوری کرنے کی بجائے اس پابندی کو قبول کرتے ہو۔ کیونکہ تمھارا مستقبل فوج ہی سے وابستہ ہے۔ تم اپنی خواہش سے سونے جاگنے کے اوقات مقرر نہیں کر سکتے۔ تمھارا کھانا پینا

سب ایک مقررہ ضابطے کے تحت ہوتا ہے مگر تم ہرگز اصرار نہیں کرتے کہ میں اپنی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ اگر تم غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی تو پابندیوں سے ہی مرکب ہے۔

ہاں! ایک اور مخلوق ہے جو صرف اپنی خواہش کی تابع ہے تم دیکھتے نہیں کہ مویشی اور جانور بس خواہش ہی کے تابع ہیں جہاں ہری ہری گھاس نظر آئی۔ بس منہ اٹھائے چل دیئے۔ یہی فرق سمجھانے کے لئے خالق نے فرمایا:

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا۔
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا
كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔

اگر تم ڈنگروں ڈھوروں کی سطح سے بلند اور انسانیت کے شرف سے مشرف ہونا چاہتے ہو تو ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی خواہش کو خالق کے احکام کے تحت کر لو۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوگا کہ حیوانِ مطلق کے گروہ میں شمار ہونے سے بچ جاؤ گے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ خالق کے انعام کے مستحق قرار پاؤ گے۔ اُس نے یہ بشارت دے رکھی ہے:

"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ
الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى"

یعنی جو شخص لذّت پرستی کا شکار نہ ہوا اور اپنی خواہشات کو اپنے خالق کے احکام کا تابع بنا لیا تو اسے ابدی راحت کا ٹھکانا عطا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال کا محرک اپنے خالق کی اطاعت ہو تو یہی شرفِ انسانیت ہے۔ خالق کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر جو لوگ اپنی محدود عقل کو رہنما سمجھتے ہیں وہ بڑی

بڑی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ ایک مفکر، جان سٹوارٹ مل اور دوسرا، بنتھم اپنی عقل سے یہی کچھ سیکھنے پائے کہ ہمارے افعال کا محرک حصولِ لذّت ہے۔ ایک اور صاحب میکنزی کی عقل یہاں تک پہنچی کہ ہمارے افعال کا محرک خواہش ہے۔

تم خود ہی سوچو کہ انسان کے اعمال کا محرک بھی اگر خواہش اور حصولِ لذّت ہے تو انسان اور ڈنگر ڈھور میں کیا فرق رہا۔ اس لئے رکاوٹ کو خوب پہچان لو! تاکہ تمھارے لئے اپنے خالق کی بات ماننا آسان ہو جائے۔

دوسری رُکاوٹ

انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ صرف اپنی ذات کے دائرے میں محدود رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر کو دیکھو۔ اس میں ایک کنبہ رہتا ہے۔ باپ، ماں، بھائی، بہن وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ کُنبے کا سربراہ یہ توقع رکھتا ہے کہ دوسرے افراد اس کا کہا مانیں۔

پھر اس دائرے سے باہر نکلو، عزیز رشتے دار اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں، برادری کا ایک اچھا خاصہ وسیع دائرہ ہوتا ہے۔ اور جہاں برادری کے افراد اور عزیز رشتہ دار اپنے خالق سے رُوٹھے ہوئے ہوں ان کا بگاڑ متعدی بن چکا ہے وہاں انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ انھیں چھوڑ کر وہ صرف اپنے خالق کا کہا مانے۔ اس لئے رشتہ دار اور برادری اس کی راہ روک لیتے ہیں۔ اب اِسے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اپنے خالق کا کہا مانے یا ان لوگوں کا کہا مانے؟ جو اپنے

خالق سے رشتہ توڑ بیٹھے ہیں۔

تمھاری راہ میں بھی یہ رکاوٹ آئے گی۔ خالق کی یہ بات تمھارے ذہن میں ہر وقت موجود ہونی چاہیئے کہ زندگی سانس کی آمد و شد کا نام نہیں یہ تو حقیقی زندگی کا مختصر سا حصّہ ہے جس میں طویل زندگی کی راحتوں کا سامان جمع کرنا ہے اور یہ فیصلہ کرنا صرف اُس خالق کا کام ہوگا کہ تمھیں راحت ملنی چاہیئے یا عقوبت۔ کیا اُس وقت یہ رشتہ دار اور عزیز کچھ کام آسکیں گے ؟

دیکھو! خالق نے بتا دیا کہ ایسا نہیں ہوگا :

"لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

کام آنے کی کیا بات، وہاں تو حالت یہ ہوگی کہ،

"يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ"

ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا اور :

"لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ"

ہر ایک کو اپنی ہوگی۔ بلکہ اس مادہ پرستی کے دور میں تو یہاں بھی یہ حالت ہے۔ کہ ہر ایک کو بس اپنا مفاد پیشِ نظر ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک دوسرے کی کسی قدر احتیاج بھی ہوتی ہے تو وہاں یہ لوگ کیسے کام آئیں گے ؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیٹے کی اُنگلی لبلبی پر ہے اور باپ کا سینہ چھلنی ہو رہا ہے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ وہاں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے ؟ لہٰذا اِن کے جھانسے میں آکے خالق سے کیوں بگاڑو۔ اِس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے خالقِ مطلق نے تو یہاں تک فرما دیا :

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

یعنی اگر تم عزیز و اقارب اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر ہمیں بھلا بیٹھے تو ہماری گرفت اور ہمارے مواخذہ کا انتظار کرو۔

تیسری رکاوٹ

اِس مختصر سی زندگی میں انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی غم ہے کبھی خوشی۔ آج خوشی کی کوئی تقریب منائی جا رہی ہے۔ کل صفِ ماتم بچھ رہی ہے۔ مگر تم نے دیکھا کہ خوشی کی تقریب ہو یا غم کا موقع، لوگ ایسے کام بلکہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ عقل ان کا مضحکہ اڑاتی ہے۔ معقولیت اس پر طنز کرتی ہے وقار اور سنجیدگی سے ان کا دُور کا تعلق بھی نہیں ہوتا! اور لطف یہ کہ انھیں غیر ضروری غیر معقول بھی سمجھتے ہیں۔ کوئی پوچھے اب کیوں کرتے ہو؟ کہتے ہیں، رواج جو ہوا، اسے کیسے چھوڑیں؟

تم نے دیکھ لیا کہ رسم و رواج جب معقولیت کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے تو خالق کی بات ماننے میں رکاوٹ بنے تو کون سا تعجب کا مقام ہے۔ تاریخِ انسانی تو یہ بتاتی ہے کہ افراد اور اقوام نے جب بھی معقولیت شرافت اور حق کی مخالفت کی ہمیشہ یہی کہا کہ ہم رسم و رواج کو چھوڑ دیں۔ دیکھو! موسیٰ علیہ السلام

کی قوم نے حق کی دعوت سُن کر یہی تو کہا تھا:

"اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا"

یعنی اے موسٰی (علیہ السلام)! کیا تو ہمیں اس راہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔ جس پر ہمارے آبا و اجداد چلتے آئے ہیں۔ یعنی جو باتیں ہمارے ہاں مروّج ہیں، کیا تیرے کہنے پر وہ چھوڑ دیں؟

دیکھو! حق کے قبول کرنے میں رسم و رواج کیونکر آڑ بنے؟ قوم شعیب علیہ السلام نے بھی تو یہی کہا تھا نا کہ:

"اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا"

یعنی اے شعیب (علیہ السلام)! تو ہمیں خالق کے دروازے پر کھڑا ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ تو کیا ہم ان دروازوں کو چھوڑ دیں جن پر ہمارے بڑے دستک دیتے رہے؟

اسی طرح قوم ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

"بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ"

یعنی جو کچھ وہ کرتے تھے اس کی دلیل صرف یہ تھی کہ آبا و اجداد ایسا کرتے آئے ہیں۔ بلکہ خالق نے اپنے آخری نمائندہ کو تسلی دیتے ہوئے پوری گزشتہ تاریخ انسانی کے متعلق یہ حقیقت بتلا دی کہ:

"وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ"

یعنی انسانیت کی طرف رہنمائی کرنے والا اور حق کی طرف دعوت دینے

والا جب بھی اور جہاں بھی آیا مخاطبین نے یہی جواب دیا کہ ہم اپنے دیرینہ رسم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ باپ دادا سے جو ورثہ ہم نے پایا اس سے کیونکر دست بردار ہو جائیں ؟

اِس رکاوٹ کو راستے سے ہٹانے کا ایک نسخہ خالق نے بتا دیا کہ:

" اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ "

یعنی ہر رسم و رواج کے متعلق یہ سوچو کہ اس میں کوئی معصومیت کے آثار نظر آتے ہیں یا اس میں کوئی ہدایت کا سراغ ملتا ہے ؟ اگر نہیں تو بھلے مانسی یہ ہے کہ رسم و رواج کی بات نہ مانو۔ بلکہ اپنے خالق کا کہا مانو کیونکہ اس کا کہا ماننے سے انسان یقیناً صراط مستقیم پر چلنے لگتا ہے اور اس کا نتیجہ منزل پر پہنچنا اور مقصد حاصل ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ کیا تمہیں ہر قدم پر منزل سے دور ہو جانا ہی پسند ہے۔

چوتھی رکاوٹ

یہ دنیا ایک امتحان گاہ اور یہ زندگی وقت امتحان ہے اور انسان کو ایک امتحان میں ڈال دیا گیا ہے۔ اِسے اپنے نظریہ اور عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے خالق کا مطیع ہے یا باغی۔ اس کی فطرت تو اطاعت کا تقاضا کرتی ہے مگر خالق کی طرف سے ایک قوت اِسے بہکانے کے لئے بھی پیدا کی گئی ہے۔ جو اسے خالق کی بغاوت پر آمادہ کرتی رہتی ہے، مشورے دیتی ہے اور ناصح مشفق

بن کر اُس کی دوستی اور خیر خواہی کا یقین دلاتی رہتی ہے اسے اصطلاح میں شیطان کہتے ہیں۔ خالق نے انسان کو امتحان میں ڈال کر یہ رعایت ضرور دی کہ انسان کو کھُلے لفظوں میں بتلا دیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے وہ لاکھ دوستی کا دَم بھرے اس کے بھرّے میں نہ آنا:

"اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔"

اور یاد رکھنا، اس کو اپنا دشمن ہی سمجھنا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا، جو دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محتاط آدمی اپنے دشمن کی ہر بات اور ہر حرکت کا بڑی احتیاط اور بڑے غور سے جائزہ لیتا ہے کہ یہ اپنے دوست سے دور کرنے کا مشورہ تو نہیں دے رہا۔ کبھی یہ نہیں دیکھا گیا۔ دشمن کو جانتے ہوئے آدمی اس کی ہر بات مان لے، اس لئے انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس دشمن سے محتاط رہو۔

کبھی خالق نے سوالیہ انداز میں اس پر سوچنے کی دعوت دی:

"اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔"

یعنی کیا تم نے مجھے اپنا خالق نہیں مان لیا؟ اور میرا کہا ماننے کا عہد نہیں کر لیا؟ جب عہد ہو چکا تو اس دشمن کا کہا نہ ماننا کیونکہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے بلکہ میرا کہا ماننا کیونکہ یہی زندگی کی اصل راہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب سلیم الفطرت انسان یہی دے سکتا ہے، کہ اس عہد کا پابند رہوں گا۔ اور دشمن کی چالوں میں کبھی نہیں آؤں گا۔

کبھی دشمن کی چالوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ"

یعنی ایک طرف تو تمہیں اپنے خالق سے دُور کرتا ہے دوسری طرف تمہارے معاشرے میں بگاڑ پیدا کر کے تمہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے حتّٰے کہ تم ایک دوسرے کے جان و مال، عزّت و آبرو پر ہاتھ صاف کرنے میں فخر محسوس کرنے لگتے ہو۔ جوا، شراب اس کے بڑے مصوم سے داؤ ہیں۔

تم سمجھتے ہو کہ ہم دفع الوقتی کے لئے آسانی سے مال دار بننے کے لئے تفریح کے طور پر جوا کھیل لیتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ مگر یہ تو اس چال سے غیر محسوس طور پر تمہارے معاشرے میں دشمنی کے بیج بو رہا ہوتا ہے۔ پھر تم کہنے لگے کہ بس ذرا تکان دُور کرنے کے لئے، ذرا غم غلط کرنے کے لئے تھوڑی سی پی لی تو کیا قیامت آگئی۔ مگر اس چال سے یہ دشمن تمہاری عقل پر، سمجھ پر، سوچ پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ تمہارے لئے خیر و شر کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ مگر تم یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہو کہ شراب پیتا ہوں غریبوں کا خون تو نہیں پیتا۔ بات اس کی ہوتی ہے مگر وہ تمہاری زبان سے کہلواتا ہے۔

کبھی خالقِ ارض و سما ایک اصولی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطَانِ فَاِنَّہٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ"

یعنی جو شیطان کا حکم ماننے پر آمادہ ہو جائے۔ اُسے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ جب بھی مشورہ دیتا ہے بے حیائی اور ایسی باتوں کا مشورہ دیتا ہے جو فطرتِ انسانی کے لئے اجنبی، ناجائز اور مضر ہوتی ہیں۔ گویا اس سے

مشوروں کے متعلق تو یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں کہ شاید کوئی کام کی بات بتا دے۔ اِس کے باوجود اگر انسان اپنے خالق سے روگردانی ہی کرے تو ایک بہت بڑی سزا کا اعلان کر دیا :

"وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ"

یعنی آدمی جب اپنے خالق سے اس حد تک بگاڑ لیتا ہے کہ اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا تو ہم اسے یہ سزا دیتے ہیں کہ شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں کہ یہ اُلٹی کھوپڑی کا انسان اپنے ازلی دشمن کو اپنا دوست سمجھ لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوست کی باتیں میٹھی لگتی ہیں اور اس کے مشورے سر آنکھوں پر۔ پس پھر وہ دوست نما دشمن اپنا کام بڑے اطمینان سے شروع کر دیتا ہے اور انسان کا ہر قدم اُلٹی سمت ہی اُٹھتا ہے اور انسان کی شقاوت پر اس وقت گویا مہر لگ جاتی ہے جب وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھنے لگتا ہے۔

اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب بستر مرگ پر پڑا ہوا ایک پرانا اور لاغر مریض اپنے آپ کو صحت مند اور پہلوان سمجھنے لگے تو علاج کی فکر کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اُسے موت کی آغوش میں جانے کے لئے کس بات کا انتظار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جب یہ پشت بہ منزل انسان اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھنے لگے تو اسے تباہی اور ہلاکت سے بچانے والا کون ہے؟

اِس دشمن کو اچھی طرح پہچان لو!

یہ تمہیں کسی نہ کسی طرح اپنے خالق سے بغاوت پر آمادہ کر کے رہے گا، تم نے اپنے خالق سے جو عہد کیا تھا کہ صرف تیرا کہنا مانیں گے۔ اس کو بھول جاؤ

گے اور تمھاری ساری کوشش اپنے اس دشمن کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف ہو کے رہ جائے گی۔

پانچویں رکاوٹ

ترقی کی خواہش ہر انسان میں فطرتاً موجود ہے۔ ترقی خواہ علم میں ہو، عمل میں ہو، مال میں ہو، جاہ و منصب میں ہو۔ اگر یہ جذبہ سرے سے موجود ہی نہ ہوتا تو دنیا کی یہ رونق کہاں ہوتی۔ مگر جب یہ جذبہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے جنون بن جاتے اور اس جنون کا رُخ بھی حکومت اور اقتدار کی طرف ہو۔ تو یہ امن کی دنیا فساد اور بگاڑ کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ پھر اقتدار پر قبضہ کر کے آدمی عقل و خرد کے اعتبار سے ایسا دیوالیہ ہو جاتا ہے کہ اس کی سوچ اور کشش کا محور اس کی اپنی ذات ہی بن جاتی ہے۔ اقتدار کے نشے میں دُھت انسان معقولیت، استدلال یا انسانیت کی اقدار کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے محسنوں سے اُلجھتے ہی جری ہو جاتا ہے۔

تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ خالق نے اس خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے چند مثالیں بیان کی ہیں:

(۱) ربّ العالمین کا ایک مطیع و فرمانبردار بندہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام حاکمِ وقت کو اپنے ربّ کا پیغام سُنانے گیا تو وہ جھگڑنے لگا:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ"

اُس کے جھگڑنے کا محرک محض اقتدار کا نشہ تھا۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ جب اللہ کے بندے نے کہا کہ میرا رب تو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے تو خدا ہے تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ مگر اقتدار کے نشے نے آگے بڑھ کر اس کی دستگیری کی اور اس نے حکم دے دیا کہ: حَرِّقُوْهُ اسے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کر دو۔

(ب) ایسے ہی ایک اور بندۂ خدا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام حاکمِ وقت کے سامنے جا کر اس کی خیر خواہی کے لئے اپنے خالق کا پیغام سناتے ہیں۔ تو وہ اپنی بڑائی جتانے لگتا ہے اپنے احسان گنانے لگتا ہے اور حجت بازی شروع کر دیتا ہے۔ جب استدلال کے میدان میں زچ ہو جاتا ہے تو کہتا ہے:

"لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ"

یعنی تم کس رب کا ذکر کر رہے ہو؟ رب تو میں خود ہوں۔ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى"۔ اس لئے میرے بغیر کسی اور کا نام لیا تو تمہیں کال کوٹھڑی میں بند کر دوں گا۔

دیکھا تم نے؟ طبیب خود بیمار کے پاس جاتا ہے۔ مگر بیمار ڈانٹتا ہے کہ خبردار! جو علاج کا نام لیا۔ یہ کیا ہے؟ اقتدار کے کرشمے ہیں۔

(ج) اللہ کے ایک اور خاص بندے، سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے خالق کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ نہیں مانتے۔ اقتدار کہتا ہے،

"لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ"

یعنی اپنے خالق کو چھوڑ کر میرا کہا نہ مانا تو اسے پابندِ سلاسل کیا جائے گا اور اسے رُسوا کیا جائے۔ اقتدار کا نشہ کب گوارا کرتا ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کی جائے خواہ وہ کتنا ہی غیر معقول کیوں نہ ہو۔

اقتدار کی یہ خاصیت ہے کہ اپنی پسند کے خلاف بات سُننا بھی گوارا نہیں کرتا چنانچہ صاحبِ اقتدار کے گرد ہمیشہ چاپلوسوں، خوشامدیوں اور بے ضمیر لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ جب کوئی اللہ کا بندہ مخلوق کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت حق کا پیغام سُناتا ہے تو شاہ کے حواری مقربین اور جی حضوریئے آگے بڑھ کر اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے واقعات بیان کرتے ہوئے خالق نے اپنے آخری پیغام میں ارشاد فرمایا۔ جب اللہ کے ایک برگزیدہ بندے سیدنا نوح علیہ السلام نے پیغام سُنایا تو:

"قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"

یعنی قوم کے چوہدریوں نے جنہیں اپنی قوم میں اقتدار حاصل تھا، پیغام سُن کر کہنے لگے کہ ہم تو سمجھتے ہیں تو سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر کہنے لگے:

"اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ"

قوم کے لیڈر اقتدار کے نشے میں کہنے لگے کہ معاذ اللہ! تم کیا احمقانہ باتیں کرتے ہو اور ہمیں تو یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

یہ وہ بزرگ ہیں جو ساڑھے نو سو برس تک مسلسل اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے میں کوشاں رہے۔ مگر ان کی راہ روکنے کے لئے وہی سربرآوردہ لیڈر اور صاحبِ اقتدار لوگ ہی آگے بڑھے۔

(ب) قومِ ثمود کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۔ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ "

جب قوم ثمود کے لیڈر حضرت صالح علیہ السلام کی آواز کو دبا نہ سکے اور عوام نے ان کی دعوت قبول کر لی تو عوام پر دھونس جمانے لگے اور پراپیگنڈہ کرنے لگے کہ ہم تو اس کی بات ہرگز نہیں مانتے۔ اسی پر بس نہ کیا بلکہ اپنے ہی مطالبہ پر حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے معجزانہ طور پیش کی ہوئی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور لگے دندنانے کہ اے صالح! کر لو جو کچھ کرنا ہے۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، سب اقتدار کے کرشمے تھے۔

(ج) ایک اور اللہ کے برگزیدہ بندے اور قوم کے محسن سیّدنا شعیب علیہ السلام کا پیغام سُن کر قوم کے سردار لال پیلے ہو کر کہنے لگے:

"لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا "

یعنی اے شعیب! سیدھی بات یہ ہے کہ ہمارا نظریہ قبول کرو۔ ورنہ تمہیں اور تیرے ساتھیوں کو دیس نکالا دے دیں گے۔ اقتدار کی فطرت یہی ہے کہ دلیل کے میدان میں مات کھا کر بھوکے بھیڑیے کی طرح غرّانے لگتا ہے اور ظلم و استبداد سے حق کو دبانے کے لئے میدان میں کود پڑتا ہے۔

(د) اسی طرح فرعون کے گرد جمع شدہ جی حضوریوں نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا پیغام سُن کر پہلا تبصرہ تو یہ کیا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ "

یعنی اے ہمارے ولی نعمت! یہ تو بڑا اہلِ فن جادوگر ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک عظیم حقیقت کو بے حقیقت اور بے وزن ظاہر کرنے کے لیئے اسے جادو قرار دینا بڑی فنکارانہ تکنیک ہے اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے آقائے ولی نعمت سے پوچھتے ہیں:

"اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ"

یعنی اے جہاں پناہ! کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو کھلی چھٹی دے رکھیں گے کہ آپ کی سلطنت میں فساد پھیلاتے پھریں۔ گویا ان کی نفسیاتی اپروچ ہے کہ یہ آواز تو سلطنت کے امن کو تہہ و بالا کرنے اور ملک میں فساد بپا کرنے کی ایک سکیم ہے۔

پھر اس سے بھی زیادہ چھپتی ہوئی بات کہی:

"قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى"

یعنی یہ تو اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے عہد میں جو امن و سکون عیش و راحت کا دور دورہ ہے۔ اسے تباہ کر کے ایک غیر معقول اور بے کار نظریہ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

یہ بات ایسا کامیاب حربہ ہے کہ اسے سن کر اقتدار کے ماتھے پر بل آنا یقینی ہے۔ اور اس فرعونی حربہ سے ہر زمانے میں ہر جگہ کام لیا گیا۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھو جب کبھی اور جہاں کہیں کسی ظالم آمر کی اصلاح کے لیئے پبلک سے کوئی آواز اٹھی۔ اس کے بے ضمیر حواریوں، جی حضوریوں اور مقربوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر ہمہ مقتدر آمر کا خون کھولنے لگتا ہے۔

بلاشبہ حق کی راہ میں ایسا اقتدار ایک بڑی رکاوٹ ہے مگر یہ بھی سوچو کہ ایسے دشمنانِ انسانیت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ فرعون، نمرود، نیرو، ہٹلر کے واقعات تو قصہ پارینہ بن گئے۔ خود حال کے واقعات پر نگاہ کرو۔ آج ایک آمر کرسی و طاقت کی بین بجا رہا ہے کل وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے بند ہے۔

اقتدار تو ڈھلتی چھاؤں ہے۔ یہاں بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں تو وہاں یہ کس کام آئے گا۔ کیوں نہ وہ اقتدار حاصل کرو جو ابدی ہے، چھننے کی فکر نہیں، اور جس کی راحتیں غیر محدود اور لازوال ہیں اور وہ حاصل ہوتا ہے، صرف اپنے خالق کی بات ماننے سے۔ اس لئے اس رکاوٹ کی اچھی طرح پہچان کر لو! ایسا نہ ہو کہ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ کی صورت پیدا ہو جائے اور نتیجہ وہی نکلے کہ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

چھٹی رکاوٹ

انسان کی مرغوب چیزوں میں ایک نہایت پرکشش چیز مال اور دولت ہے۔ اس کی کشش یا اس کا شوق اس حد تک ہے۔ جہاں تک انسان کی بنیادی ضروریات یا مناسب راحتوں کا تعلق ہے تو یہ شوق معیوب نہیں، بلکہ عین انسانی فطرت کا تقاضا ہے مگر جب یہ شوق جنوں کی صورت اختیار کر لے تو انسان کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اور جنون لاعلاج مرض کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ شاید اسی بناء پر خود خالق نے اس حقیقت سے آگاہ

کر دیا کہ: "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" یعنی خوب سمجھ لو کہ مال و اولاد تمھارے لئے بڑی آزمائش ہے۔

یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم ان کی محبت میں فنا ہو کر خالق کو بھول جاتے ہو یا یہ چیز تمھارے لئے خالق کی اطاعت میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ پہلی صورت ہے تو تم آزمائش میں فیل ہو گئے۔ دوسری صورت ہے تو کامیاب۔ پہلی صورت ہو تو خالق اس جنون کو عذاب بنا کر تمھارے اوپر مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

"فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ"

یعنی جب وہ ہمیں اور ہماری باتوں کو بھلا بیٹھے تو ہمارے حکم سے ان پر ہن برسنے لگا۔ جب وہ مست ہو کر اس کے نشے میں دھت نظر آنے لگے تو اچانک ہماری طرف سے گرفت شروع ہوئی۔ اب ان کی حالت یہ ہو گئی کہ بھری دنیا میں انھیں کہیں امید کی کرن نظر نہ آئی۔ یعنی مال صرف آزمائش ہی نہیں بلکہ اس کا جنون تو ایک مستقل عذاب ہے پھر اس پر اترانا کیسا؟

پھر خالق نے آخرت کا ایک منظر دکھاتے ہوئے فرمایا کہ جنہیں یہ لوگ اپنے صفائی کے گواہ کے طور پیش کریں گے۔ وہ کہیں گے:

"وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا"۔

کہ اے ہمارے خالق! ان کی گمراہی اور بربادی میں ہمارا ہاتھ نہیں بلکہ تو نے انھیں دولت کی فراوانی عطا کی۔ یہ ظالم تجھی کو بھلا بیٹھے اور اپنے پاؤں

پر خود کلہاڑی ماری۔ تو سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ مال و دولت کہیں آزمائش ہے کہیں وبال ہے اور کہیں عذاب ہے ہوس زر سے دنیوی سکون بھی غارت ہوا اور آخرت میں رسوائی بھی پلّے پڑی۔

یہ مال و دولت تین پہلوؤں سے آزمائش بنتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اس امتحان میں تین پرچے ہیں۔

اوّل اکتساب

مال کے حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً میراث کی راہ سے اس معاملے میں آدمی حق و انصاف کی راہ سے ہٹ جائے تو ظلم و زیادتی کرنے سے بچ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا"

تم میراث کا مال لپیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سمیٹنے کا تو تمہیں جنون ہے۔

اکتساب مال کی دوسری صورت تجارت وغیرہ کو ذریعہ معاش بنا کر مال کا حصول ہے۔ اس پہلو سے انسان راہ اعتدال سے ہٹ جائے۔ تو اپنے بھائیوں کی جیب کاٹنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ"

یعنی لیتے وقت تو اپنا حق پورا کر کے لیتے ہیں اور دیتے وقت ڈنڈی مارتے ہیں۔ خود غرض انسانوں سے بھی بھلا کوئی انسانی معاشرہ وجود میں آیا ہے یہ تو انسان نما درندوں کا ایک ریوڑ ہوتا ہے۔ یہ تو بڑی تباہی ہے۔

ایک اور صورت باہمی معاملات میں دوسروں کا مال ہتھیانے کی فکر میں

رہنا دھونس، دھاندلی اور عدالتوں سے رشوت اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعے دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی تدبیریں اختیار کرنا وغیرہ چنانچہ خالق نے اِس کی صریح ممانعت فرمادی کہ اگر میرے ساتھ تمھارا کوئی تعلق ہے تو بھول کر بھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

دوم، اِکتناز

یہ ایک قدرتی امر ہے اور تمھارا روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان جتنا کماتا ہے۔ سارے کا سارا خرچ نہیں کرتا بلکہ ضرورت سے زائد جتنا آجائے وہ پس انداز ہوتا رہتا ہے۔ یہ واقعات کا قدرتی بہاؤ ہے۔

لیکن ہوتا یوں ہے کہ جمع شدہ دولت اپنے اندر ایک عجیب کشش رکھتی ہے آدمی اگر قدرتی رفتار سے ہٹ کر اِس کی کشش کے پھندے میں پھنس جاتے تو اِسے بنک بیلنس کا جنون ہو جاتا ہے اور اس جنون کی خاصیّت یہ ہے کہ اس کی تسکین کی جتنی کوشش کی جائے یہ پیاس اور بڑھتی ہے۔ حتیٰ کہ طبیعت کا رُخ اِس طرف ہو جاتا ہے کہ ضرورت سے زائد مال بچانے کی جگہ انسان کو اپنی ضروریات کو پورا کرنا ناگوار ہونے لگتا ہے اور اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے یہ ہوس زر کا ایک پہلو ہے۔ یعنی جو آیا ہے وہ جانے نہ پائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ آنے والے کی مقدار سے طبیعت سیر نہیں ہوتی چنانچہ انسان چاہتا ہے کہ دولت سمیٹے اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جائز و ناجائز کی تمیز ایک تکلف محسوس ہوتا ہے۔ پھر ناجائز کا لفظ ہی انسان کی ڈکشنری سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ ہر ذریعہ سے دولت اکٹھا کرنا جائز سمجھنے لگتا ہے۔ پھر معاملہ اس سے آگے بڑھتا ہے تو آدمی

اسے جائز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہے۔ یہی وہ بیماری ہے جس کے آثار رشوت، چور بازاری، سمگلنگ، ملاوٹ، غبن، بددیانتی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اب انسان اپنے معاشرے کا ایک فرد نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کے لئے درندہ بن کر سامنے آتا ہے۔ چیر پھاڑ، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ، ہیرا پھیری، جوڑ توڑ اس کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ جس معاشرے میں ایسے انسان پنپنے لگیں، وہ انسانوں کی آبادی نہیں بلکہ درندوں کی ایک بھٹ بن جاتا ہے۔ اور ہر درندہ اپنے سے کمزور درندے کو پھاڑ کھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور انسان کی جان مال، عزت اور آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہتا۔

ظاہر ہے کہ اس جنون کی حالت میں انسان کو کب یہ ہوش ہوتی ہے کہ اپنے خالق کا کہا مانے یہ تو دور کی بات ہے۔ اسے یہ بھی بھول جاتا ہے کہ میرا خالق بھی کوئی ہے اس لئے خالق نے اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے ہدایت کی کہ:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ"

یعنی جو لوگ ہوس زر کا شکار ہو کر صرف مال جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور اپنے خالق کی ہدایات کے مطابق جائز مصرفوں پر خرچ تک نہیں کرتے انھیں ایک دردناک سزا کی بشارت ہو۔ جب انھیں سزا دینے کا وقت آئے گا۔ تو یہی سونا چاندی جو انھوں نے جمع کر رکھا تھا۔ تپا تپا کر ان کے اعضاء کو

داغا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی انھیں آگاہ کیا جاتا رہے گا کہ لو مزا چکھو، یہی تو وہ دولت ہے جس پر تم لٹو ہو کر ہمیں اور ہماری ہدایات کو بھلا بیٹھے تھے، وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ سے ظاہر ہے کہ جو مال خالق کی ہدایات کے تحت اپنی ضروریات اور معاشرہ کی جائز ضروریات پر صرف کرنے کے بعد بھی پس انداز ہو جائے۔ وہ اکتناز کے تحت نہیں آتا وہ کتنا ہی ہو مگر جو مال خالق کی ہدایات کے تحت خرچ کرنے سے بے نیاز ہو کر جمع کیا جاتے اس پر اکتناز کا اطلاق ہوگا۔ اس لیئے خالق نے آگاہ فرما دیا کہ میری بات ماننے میں مال و دولت کا یہ پہلو بھی تمھاری راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس لیئے اس خطرے سے آگاہ رہنا۔

اب ذرا اپنے اردگرد جھانک کر دیکھ لو۔ کیا اسی جھاڑ کے کانٹے بکھرے ہوئے نظر نہیں آتے؟ بازار میں گھوم کر دیکھو۔ یہ مٹھائی میں گھی کی جگہ گریس استعمال کر کے بنی نوع انسان کی صحت و توانائی کو برباد کرنے کی کوشش کیوں ہو رہی ہے؟ یہ چائے کی پتی میں کیکر کی پتیاں اور چنے کے چھلکے کیوں ملائے جا رہے ہیں؟ قسمیں کیوں کھائی جا رہی ہیں کہ ہم دودھ میں پانی نہیں ملاتے۔ اور وہ لوگ سچی قسمیں کھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو پانی میں دودھ ملاتے ہیں۔ دودھ میں پانی نہیں ملاتے۔ یہ شکر میں یوریا کھاد کیوں ملائی جاتی ہے؟ یہ ہلدی میں اینٹین پیس کر کیوں ملائی جاتی ہیں؟ یہ خبریں آئے دن اخباروں میں کیوں آتی ہیں کہ آج اتنے سمگلروں کو گولی مار دی گئی ہے؟

اب ذرا تعلیمی اداروں میں جھانک کر دیکھو! یہ جعلی اسناد تھوک کے حساب سے کیوں تیار کر کے منظم کاروبار چلایا جا رہا ہے۔ یہ معصوم کی خوراک کے

لیئے دیا ہوا دودھ اور اس کے ڈرم بازاروں میں کیوں فروخت ہو رہے ہیں ؟
یہ امتحانوں میں پاس ہونے کا دارومدار صرف ساتویں (انگریزی) پر کیوں ہے ؟

اب ذرا ان اداروں کو دیکھو ! جو مظلوموں کے آخری سہارا ہوتے ہیں۔ اب وہاں انصاف ہوتا نہیں بکتا ہے۔ بلکہ نیلام ہوتا ہے اور انسانیت پکار رہی ہے۔ دفتر اور کچہریاں ظلم کے دربار ہیں۔ ڈاکوؤں کے غار ہیں ؎

لے اڑیں جو جان کو دین کو ایمان کو
میں اس آن بان کو دیکھتا چلا گیا

یہ حالت کسی ایک مخصوص خطے کی نہیں بلکہ پوری دُنیا اس وبا کی لپیٹ میں ہے۔ یعنی انسان نے اپنے خالق کو کیا بھلایا اپنی نوع کو اپنے آپ کو ہی بھلا بیٹھا سچ فرمایا خالق نے :

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ"

تم نے خالق کی باتیں تو سُنی ان سُنی کر دیں۔ اب تمھارے حالات تمھیں جھنجھوڑ رہے ہیں، حادثات تمھیں کچوکے لگا رہے ہیں۔ کیا اب بھی تمھیں ہوش نہیں آئے گا ؟

سوم، خرچ

مال و دولت کا تیسرا پہلو اسے خرچ کرنے کا ہے جو انسان کے لیئے آزمائش کی ایک صورت ہے۔ مال و دولت کا اصل مقصد کھانا یا جمع کرنا نہیں بلکہ خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے جس کی مدد سے انسان اپنی ضروریات پوری کر کے زندگی بسر کرنے کے قابل بنتا ہے۔ اس پہلو میں انسان جب ٹھوکر کھاتا ہے تو راہِ اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط کا شکار ہو

جاتا ہے۔ جب بے تحاشہ خرچ کرنے کی لت پڑ جاتی ہے تو لکھ لُٹ بن جاتا ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ گو مصرف جائز ہوتا ہے مگر خرچ کی مقدار میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے وبال بن جاتی ہے۔ اس حقیقت کو خالق نے یوں بیان فرما دیا کہ:

"وَاِنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ"

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مصرف ہی سرے سے غلط ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مقدار کی حد ملحوظ رکھنے یا نہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک ہو یا ایک لاکھ ہو۔ جب اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیا تو حاصل کیا ہوا؟ یہ حالت انسانی بگاڑ کی آخری حد ہے۔ اس لئے خالق نے بتا دیا کہ ایسے آدمی نے گویا اپنا رشتہ اپنی نوع سے منقطع کر کے ایک بالکل ہی دوسری نوع کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

"اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا"

یعنی ایسا شخص تو شیطانی برادری کا ایک فرد ہے اور شیطان کے اپنے رب کے نافرمان ہونے میں شبہ کس کو ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مال کے ساتھ یہ سلوک کرنے والا شخص اپنے مالک و خالق کا کہا ماننے کے لئے کب آمادہ ہو سکتا ہے وہ تو مخالف کیمپ میں جا کھڑا ہوا ہے۔

تیسرا اور صحیح طرزِ عمل مسلکِ اعتدال ہے جس کی نشاندہی خود خالق نے کر دی کہ:

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا"

یعنی خرچ کرنے کے معاملے میں اس حد تک ہاتھ نہ روک لو اور اتنے

کنجوس نہ بن جاؤ کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی جائز ضروریات پر خرچ کرنا بھی تمہارے لئے دوبھر ہو جائے اور نہ اس حد تک دست درازی کرو کہ مقررہ حدود ہی پھاند جاؤ اور بُروں کی جان کو رونے بیٹھ جاؤ۔

کتنا کریم ہے ہمارا خالق کہ سیدھی راہ کی نشاندہی بھی کر دی اور غلط راہوں سے بھی آگاہ کر دیا بلکہ ہر اُس موڑ سے آشنا کر دیا کہ جہاں سے آدمی غلط رُخ اختیار کر سکتا ہے۔ ہر اُس گڑھے کی نشاندہی کر دی جس میں گر کے انسان تباہ ہو سکتا ہے۔ ہر اُس نشیب و فراز کو ظاہر کر دیا جہاں انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے اس کے باوجود بھی انسان ایسے رحیم و کریم خالق کا کہا نہ مانے تو ایسے انسان کو اس کی روش کے بھیانک نتائج سے کون بچا سکتا ہے؟

اب تو تم سمجھ گئے ہو گے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ کا مطلب کیا ہے، عبادت کا مفہوم کیا ہے اور ہم اِس وقت تباہی کے کس عمیق گڑھے میں گر رہے ہیں۔

ہمارے دن گزشتہ پھر ہمیں یارب دکھا دینا
سُنا ہے تیری قدرت سے گئے دن پھر بھی آتے ہیں

دولت میں جو شرطِ عصیاں ہو
بہتر ہے قناعت انساں ہو

اَغْتَنِمْ فِی الْفَرَاغِ فَضْلَ رَکُوْعٍ
فَعَسٰی اَنْ یَکُوْنَ مَوْتُکَ بَغْتَۃً

کَمْ صَحِیْحٍ رَأَیْتَ مِنْ غَیْرِ سُقْمٍ
ذَہَبَتْ نَفْسُہُ الصَّحِیْحَۃُ فَلْتَۃً

مِثْلُ الْبَہَائِمِ لَا تَرٰی اٰجَالَہَا
حَتّٰی تُسَاقَ اِلَی الْمَجَازِرِ تُنْحَرُ

خَالِقِ النَّاسَ بِخُلْقٍ وَاسِعٍ
لَا تَکُنْ کَلْبًا عَلَی النَّاسِ تَہِرُّ

ترجمہ —

۱۔ فرصت کے لمحات میں فضیلتِ نماز کے حصول کو غنیمت سمجھو! اس بات کا ہر وقت امکان ہے کہ تمھاری موت اچانک ہی آپہنچے۔

۲۔ اپنی زندگی میں متعدد لوگوں کو میں نے صحت مند و توانا دیکھا مگر یکبارگی اور اچانک وہ موت کا شکار بن گئے۔

۳۔ اہلِ غفلت کی مثال چوپایوں کی سی ہے جنہیں اپنی عاقبت کا کوئی احساس نہیں ہوتا بالآخر انھیں مذبح لے جایا جاتا ہے اور ذبح کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ تم لوگوں سے حُسنِ اخلاق کا برتاؤ کرو۔ اس کُتّے کی مانند نہ بنو جو بھونکتا ہی رہتا ہے۔

(حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ)